آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ؛ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر

جلد ۱۸ جولائی و اگست سنہ ۱۹۱۹ء نمبر ۷ و ۸

مطابق شوال و ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۷ھ

چندہ سالانہ ۵ ر

فہرست مضامین

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل شاہی حکیم مولوی نورالدین صاحب کی مجرب ادویات

سرمہ لاثانی:- کمزوری آنکھ - دُھند - جالا - سرخی چشم - ضعف بصارت - آنسوؤں کا جاری رہنا
ان امراض کا لاثانی سرمہ - قیمت ۶ ماشہ ۸عہ

سرمہ برقی - کمزوری آنکھ - خارش - آنکھوں سے پانی کا آنا - دُھند قیمت ۶ ماشہ عہ ر

حب اکسیر جنین - اٹھرا کی بیماری کا مجرب المجرب علاج - اٹھرا یعنی حمل کا گرجانا
بچہ کا مردہ پیدا ہونا قیمت فی تولہ عہ

مومیائی - بدن کی طاقت کے لئے اکسیر - تمام قوتوں کا مجموعہ - کیسی ہی کمزوری ہو اس کے
استعمال سے رفع ہوجاتی ہے - قیمت فی تولہ عہ

معجون مسکی - بدن کی زردی - کمی خون - دل کا دھڑکنا - معدہ کی کمزوری - سانس کا پھولنا
ان بیماریوں کے لئے اکسیر ہے - قیمت ہم تولہ عہ ر

حب سعال - وہ خشک کھانسی جو آرام لینا کالعدم کردے اور کھانستے کھانستے
سینہ درد کرے چند گولیوں کے کھانے سے آرام ہوجاتا ہے - ہم درجن عہ ر

حب اصفر - مرطوب کھانسی کی ضامن - نزلہ - زکام - بلغمی تپ اس کے استعمال کافور ہوجاتا ہے
فی درجن ۶ ر

حب جانا - تمام بدن کی کھوئی ہوئی طاقت کا واپس لانا ان کا فرض عین ہے کمی خون کو چند
یوم میں پورا کردینا ان کا منصب ہے تمام پٹھوں کی کمزوری کیلئے اس کے اندر برقی تماشا ہے
دماغ کی قوت میں بے مثل ہیں نسیان کو دور کرنا ان کے ہاتھ کا کھیل ہے منگواؤ
اور فائدہ اٹھاؤ - ۲۰ گولیاں عہ

تریاق معدی - درد شکم - قراقر - بدہضمی - متلی - قے - نفخ - کمزوری معدہ - غذا کا ہضم نہ ہونا
ترش ڈکاروں کا آنا - ان امراض کیلئے تحفہ کا غانی ہے فی شیشی ۱۲ ر

مرہم - پرانے اور نئے اور گندے سے گندے زخم چند یوم کے استعمال سے اچھے ہوجاتے ہیں ڈبیہ ۱۲

ملنے کا پتہ:- نظام جان عبدالرحمٰن کاغانی قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہمارا آقا صلے اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلعم کی بعد از بعثت مکی زندگی کا ایک مختصر ریویو

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آج میں آنحضرت صلعم کی مبارک زندگی کے دوسرے دور کے حالات لکھنے سے فارغ ہوا - میرے بدن کا ذرہ ذرہ شکر باری تعالیٰ کے جذبات سے معمور ہے کہ اس نے محض اپنے فضل اور احسان سے مجھے اس نازک مگر نہایت ضروری اور اہم کام کے پہلے حصہ کو خیر و خوبی کے ساتھ سر انجام دینے کی توفیق دی - اب آنحضرت صلعم کی زندگی کا نہایت عظیم الشان دور میرے سامنے ہے سو اس کے متعلق بھی میرا اللہ پر ہی بھروسہ ہے اور اسی کے فضل سے امید ہے کہ وہ جلد یا بدیر مجھے اس کے پورا کرنے کی توفیق دیگا - ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں مجھے ضرور یاد رکھیں ؛

قیام مکہ اور سن نبوی و ہجری آنحضرت صلعم بعثت کے بعد مکہ میں قریباً تیرہ سال ٹھہرے گویا ہجرت کے وقت آپ کی عمر ترپن سال کی تھی -

اسلام کے ظہور سے پہلے قریش میں سن تاریخ عام الفیل سے شمار ہوتا تھا چنانچہ مورخین بھی بعثت نبوی سے پہلے کے واقعات کی تاریخ بتانے کے لئے ہمیشہ عام الفیل ہی کا حوالہ دیتے ہیں مگر بعثت کے بعد کے واقعات کا سن بعثت نبوی سے شمار کیا جاتا ہے مگر یہ سن بھی صرف تیرہ سال تک چلتا ہے یعنی ہجرت تک۔ ہجرت کے بعد سے مستقل طور پر سن ہجری شروع ہوتا ہے ؛

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ بعثت نبوی عام الفیل کے چالیسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی تھی اور چونکہ رمضان عربی مہینوں میں سے نواں مہینہ ہے اسلئے بعثت نبوی کا پہلا سال گویا صرف چند ایام (یعنی بقیہ رمضان) اور تین ماہ (یعنی شوال ذی قعدہ اور ذی الحجہ) پر مشتمل ہے اور چونکہ ہجرت نبوی اس لحاظ سے ۱۴ سنہ نبوی ابتدا ربیع الاول میں ہوئی اسلئے آنحضرت صلعم کا بعد از بعثت مکی قیام دراصل بارہ سال پانچ ماہ اور چند ایام کا بنتا ہے اور یہی درست ہے۔ ہاں اگر رؤیا صالحہ کا زمانہ یعنی ابتدائی چھ ماہ بھی زمانہ نبوت میں شمار کر لئے جاویں تو کل عرصہ قریباً پورے تیرہ سال کا ہو جاتا ہے ؛

مکی زندگی میں اشاعت اسلام

بعثت کے بعد جو قریباً تیرہ سال آنحضرت صلعم نے مکہ میں گذارے ان میں اسلام گو سرزمین عرب میں جڑ پکڑ چکا تھا اور قریش مکہ سے باہر بھی اس کا اثر پہنچ چکا تھا چنانچہ ابوذر غفاری۔ عبد اللہ بن مسعود ہذلی۔ ضماد بن ثعلبہ ازدی۔ ابوموسیٰ اشعری۔ طفیل بن عمر و دوسی۔ سعد بن معاذ اوسی۔ اور سعد بن عبادۃ خزرجی وغیرہ بہت سی غیر قبائل کی مثالیں موجود ہیں جو اسلام لائے مگر اس میں شک نہیں کہ ابھی تک اسلام ایک نہایت کمزور حالت میں تھا اور اس کی مثال اس چھوٹے سے پودہ کی طرح تھی جس نے اپنی ہری ہری کونپلیں تو باہر نکال لی ہوں مگر ابھی وہ ایسا کمزور ہو کہ ذرا سے جھونکے سے بھی دب جاوے اور معمولی صدمہ سے بھی خاک میں مل جاوے ؛

قریش مکّہ میں ہجرت نبوی تک اسلام لانے والوں کی تعداد یقینی تو نہیں بتائی جاسکتی لیکن قرائن قویہ کی مدد سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ غالباً قریش اور ان کے متعلقین میں سے ہجرت تک مسلمان ہونیوالوں کی تعداد تین سو کے قریب ہوگی جس میں عورتیں اور بچے سب شامل ہیں۔ گویا قریش مکّہ میں آنحضرت صلعم کی تیرہ سالہ کوشش کا نتیجہ یہی تین سو جانیں تھیں اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ ان میں سے بھی بہت زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو اپنی کم سنی یا مفلسی یا اور کسی وجہ سے قریش کے اندر کوئی خاص اثر یا وجاہت نہ رکھتے تھے ۔

قریش کے علاوہ دوسرے قبائل عرب میں سے مسلمان ہونے والوں کی تعداد (اگر اہل یثرب کو الگ رکھیں) تو بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ ہاں بے شک مدینہ میں اسلام بہت جلد جلد پھیلا اور قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ والوں میں مسلمانوں کی تعداد کئی سو تک پہنچ گئی ہوگی۔ گویا اس طرح ہجرت تک کل مسلمانوں کی تعداد قریباً ایک ہزار بنتی ہے جن میں اگر عورتوں اور بچوں کو الگ رکھیں تو شائد تین چار سو بالغ مرد ہونگے۔ لیکن یہ بھی اسوقت سب آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ میں موجود نہ تھے بلکہ کچھ حبشہ میں تھے کچھ اپنے قبائل میں تھے اور کچھ ہجرت کی طاقت نہ رکھنے والے ابھی تک مکّہ میں ہی قریش کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے ۔

ہجرت نبوی اور اسکی علّت

آنحضرت صلعم اور آپ کے متبعین کی ہجرت کوئی خوشی کا سفر نہ تھا جو سیر و سیاحت کی غرض سے کیا گیا بلکہ یہ قریش کے بے دردانہ مظالم جن کا سالہا سال سے مسلمان تختہ مشق بن رہے تھے نتیجہ تھا کہ آخر تنگ آکر مسلمانوں اور ان کے آقا کو وطن سے بے وطن ہونا پڑا۔ جو جو مظالم ان ابتدائی تیرہ سالوں میں مسلمانوں اور آنحضرت صلعم کو قریش کے ہاتھوں سے اٹھانے پڑے ان کا صحیح صحیح اندازہ کرنا محال ہے۔ صرف

یہی کہا جاسکتا ہے کہ عرب جیسے جاہل اور آزاد ملک میں قریش جیسی وحشی اور متکبر قوم جو جو بھی ظلم کمزور مسلمانوں پر روا رکھ سکتی تھی وہ سب اس نے کیئے۔ مسلمانوں پر ہنسی اور مذاق اڑایا گیا۔ ان کے خلاف بیہودہ طعن تشنیع اور گندی گالی گلوچ سے کام لیا گیا ان کو خدا کی عبادت سے روکا گیا اور توحید کے وعظ سے منع کیا گیا۔ ان کو نہایت بے دردانہ طور پر مارا اور پیٹا گیا اور ان کے آدمیوں کو بے گناہ قتل کیا گیا۔ ان کی عورتوں کی سخت بے حرمتی کی گئی اور ان کے بیوی بچوں بلکہ خود انکو بھوک اور پیاس سے تباہ کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کے مال و متاع چھینے گئے حتیٰ کہ ان میں سے اکثر کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور جو ٹھیرے وہ سینہ پر پتھر رکھکر ٹھیرے۔ پھر ان کے پیارے آقا اور سردار کو سخت سے سخت دکھ دیئے گئے اور اسکو برملا بے دردانہ بدنی تکالیف پہنچائی گئیں اور اسپر پتھر برسائے گئے حتیٰ کہ اس کا بدن خون سے تربتر ہو گیا اور آخر اس کے قتل کا منصوبہ کیا گیا اور منصوبہ بھی ایسا کہ اس میں سب قبائل قریش شریک تھے تو کیا ان سب مظالم کے نتیجے میں آنحضرت صلعم کا اپنے عزیز وطن سے بے وطن ہونا کوئی معمولی سفر تھا کہ یونہی رائیگاں جاتا۔ نہیں بلکہ ان ہزارہا مصیبتوں کے بعد آپ کا اس طرح مجبور ہو کر گھر سے نکلنا خدا کی طرف سے اس بات کی طرف صریح اشارہ تھا کہ اب قریش کے مظالم کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کی ایذا رسانی صبر اور برداشت کی حد سے گذر چکی ہے اور ان کا جرم معافی اور عفو کی حد سے تجاوز کر چکا ہے اور ظالم کی کیفر کردار کا وقت آن پہنچا ہے۔ چنانچہ قریش خود بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ اگر بروقت انتظام نہ ہوا تو ان کی شرارتیں ضرور اب کچھ رنگ لائیگی چنانچہ جب انہوں نے دار الندوۃ میں آنحضرت صلعم کے خلاف آخری مشورہ کیا اور آخر قتل کے فیصلہ پر سب کا اتفاق ہوا تو وہاسی بنا پر ہی اس تجویز کہ محمد (صلعم) کو مکہ سے نکال دیا جاوے رد کر چکے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب ان کے مظالم اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ یونہی بے سزا نہ چھوڑے جاوینگے بلکہ ضرور یہ رحمت کا بادل کسی دن ان کے لئے عذاب کی صورت اختیار کرکے ان پر

غضب کی بجلیاں گرائیگا اسی لئے انہوں نے یہ تجویز پختہ کرلی کہ پیشتر اسکے کہ وہ دن آوے محمد (صلعم) کا خاتمہ کردیا جاوے ؂

قریش کی ایذا رسانیوں کا اثر مسلمانوں پر

قریش کی ایذا رسانیوں کی مختصر کیفیت اوپر گذر چکی ہے۔ ان مصائب پر مسلمانوں نے جو اعلیٰ نمونہ صبر اور برداشت کا دکھایا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، ایک بھی ایسی مثال صحیح روایات سے نہیں ملتی کہ کسی مسلمان نے ان مصائب سے ڈر کر ارتداد کا راہ اختیار کیا ہو بے شک آنحضرت صلعم کے متبعین میں ہم کو بعض مرتدین نظر آتے ہیں (اور در اصل ارتداد کا سلسلہ ایک محدود حد تک ہر نبی کے زمانہ میں نظر آتا ہے)، لیکن آپ کی مکّی زندگی میں مصائب کے ڈر کی وجہ سے کسی شخص کے ارتداد کا پتہ صحیح روایات سے نہیں ملتا۔ اسکی یہی وجہ ہے کہ مکّہ میں جو بھی مسلمان ہوتا تھا وہ ان تمام مصائب کو دیکھکر ہوتا تھا اور اس بات کے فیصلہ کے بعد ایمان لاتا تھا کہ حق کی راہ میں جتنی بھی تکالیف برداشت کرنی پڑیں وہ میں برداشت کرونگا۔ اس لئے مسلمان ہونے کے بعد یہ مصائب کسی شخص کو اسلام سے پھیر سکتی تھیں مگر ان مصائب کا ایک ضرر رسان اثر ضرور تھا کہ جس نے مکّہ میں مسلمانوں کی تعداد کو زیادہ بڑھنے نہیں دیا۔ اور وہ یہ کہ بہت سے ایسے لوگ تھے کہ جو ان مصائب کے ڈر کی وجہ سے اسلام لانے کی جرأت نہ کرسکتے تھے۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کا اثر تو پہنچتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ اسلام لے آئیں مگر ان کا ایمان اتنا پختہ نہ تھا کہ اسکی خاطر اتنی تکالیف برداشت کرنے کو تیار ہوں علاوہ ازیں بعض کو ان مصائب کے خوف نے اسلام کی طرف توجہ کرنے سے ہی روک دیا تھا پس اس طرح کئی وہ لوگ جو اگر یہ مصائب اور تکالیف اسلام کی راہ میں نہ ہوتیں تو یقیناً مسلمان ہوجاتے اب قریش کی ایذا رسانی کی وجہ سے اسلام سے رُکے رہے۔ علاوہ ازیں قریش کی ان ایذا رسانیوں کا ایک یہ بھی اثر تھا کہ

مسلمان اپنے عقائد کی کماحقہ تبلیغ نہیں کر سکتے تھے اور اگر کرتے بھی تھے تو نہایت خفیہ اور چونکہ جتنی تبلیغ زیادہ ہو اسی نسبت سے پیغام حق زیادہ لوگوں تک پہنچتا ہے اور جب پیغام زیادہ لوگوں تک پہنچے اور پہنچے بھی کماحقہ تو توجہ کرنے والے بھی زیادہ نکل آتے ہیں پس ان دو وجوہات سے مکّہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ جلد جلد ترقی نہ کر سکی۔

لیکن جہاں قریش کی ایذا رسانیوں کے یہ ضرر رساں اثر اسلام پر پڑ رہے تھے وہاں ان کے بعض مفید اثر بھی تھے اور وہ یہ کہ اوّل تو جو کوئی بھی مسلمان ہوتا تھا وہ بالکل علیٰ وجہ البصیرت ہوتا تھا اور اس بات کا قطعی فیصلہ کر کے آتا تھا کہ خواہ حق کے راستہ میں کتنی بھی مصیبتیں آئیں وہ ان سب کو برداشت کریگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ایسے لوگوں کا ایمان بہت پختہ ہوتا تھا اور وہ اخلاص اور اسلامی جذبات سے پُر ہوتے تھے اور اسلام کی خاطر ہر ایک قربانی کرنیکو تیار ہوتے تھے بلکہ جوں جوں ان پر مصائب اور تکالیف بڑھتی جاتی تھی توں توں ان کا ایمان زیادہ روشن اور صیقل شدہ ہوتا چلا جاتا تھا اور دیکھنے والوں پر نظارے اثر کئے بغیر نہ رہتے تھے بلکہ ایک خاموش مگر نہایت بلیغ تبلیغ کا کام دیتے تھے۔ دوسرا مفید اثر ان مصائب کا یہ تھا کہ ان کی وجہ سے مسلمان ایک ایسی لڑی میں پروئے گئے تھے کہ جس نے سب کو ایک جان کر دیا تھا کیونکہ یہ ایک فطرتی تقاضا ہے کہ دشمن کی دشمنی دوستوں کو اکٹھا کر دیتی ہے۔ پس جوں جوں قریش کی طرف سے ایذا رسانی بڑھتی جاتی تھی توں توں مسلمانوں کا آپس کا اتحاد ترقی کرتا جاتا تھا اور ان میں اپنی ایک علیحدہ مستقل ہستی کا احساس پیدا ہوتا جاتا تھا۔

نزول وجمع وترتیب قرآن

ابتدا نزول وحی پر اب قریباً تیرہ سال گذر چکے تھے اور قرآن شریف کا ایک کافی حصّہ نازل ہو چکا تھا۔ وحی کے نزول کی حقیقت اور اسکے نزول کے وقت منزل علیہ کے قلب کی

کیفیت - یہ وہ باتیں ہیں جن کے بیان سے زبان قاصر اور قلم عاجز ہے - جس طرح ایک نابینے کے لئے مختلف رنگوں کی کیفیات کا سمجھنا محال ہے اسی طرح وحی کی حقیقت کے متعلق صحیح علم رکھنا اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنا صرف اسی کا کام ہے جو اس کوچہ سے آشنا ہے مگر تاہم جو کچھ قرآن شریف اور آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کے اقوال سے پتہ چلتا ہے وہ درج ذیل ہے :-

قرآن شریف نزول وحی کے متعلق فرماتا ہے وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورآی حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء انه علیّ حکیم (سورۃ الشوری) یعنی نہیں انسان کے لئے کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالی مگر بطریق وحی یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ کوئی فرشتہ پیغامبر بنا کر بھیجے جو وحی کرے اسکے اذن سے تحقیق اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے نزول وحی کے تین طریقے بتائے ہیں اوّل وحی یعنی بشر کوئی آواز سنے یا کوئی تحریر اسکے سامنے پیش کی جاوے یا اسکی زبان پر کوئی کلام جاری کیا جاوے وغیرہ ذالک من مثله دوسرے من ورای حجاب یعنی رؤیا اور خواب وغیرہ کے طور پر اسکے اوپر اللہ کی طرف سے کوئی امر ظاہر ہو - تیسرے یرسل رسولا یعنی اللہ کا کوئی فرشتہ اس کے پاس آوے اور اس سے خدا کی طرف سے کلام کرے ؎

اسی کے مطابق بخاری میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت آتی کہ آنحضرت صلعم سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیف یاتیك الوحی یعنی یا رسول اللہ آپ کو وحی کس طرح ہوتی ہے" رسول اللہ صلعم نے جواب میں فرمایا احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشدہ علیّ فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال واحیانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول یعنی کبھی تو میرے پاس وحی آتی ہے ایک گھنٹی کی جھنکار

کی طرح اور یہ طرز وحی کی مجھ پر سخت ترین ہوتی ہے پھر وہ مجھ سے جدا ہوتی ہے اس
حال میں کہ میں اس کا کلام ٹھیک طرح محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی میرے پاس
فرشتہ بشر کی شکل بنکر آتا ہے پس وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں محفوظ کر لیتا ہوں
جو وہ کہتا ہے" اس حدیث میں من وراء حجاب والی طرز کو بیان نہیں کیا
گیا اور صرف باقی دو طریقوں کو اختیار کیا گیا ہے جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے
کہ من وراء حجاب والی طرز عام ہے اور اکثر لوگ اس کی حقیقت سے
علیٰ قدر مراتب واقف ہوتے ہیں بمقابلہ ان دو طریقوں کے جن کا حلقہ بہت
تنگ ہے اور جو عام طور پر صرف رسولوں تک یا خاص خاص لوگوں تک محدود ہوتے
ہیں۔ اس حدیث سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وحیا والا طریقہ سب سے اعلیٰ ہے
اور اسی لئے وہ قلب پر خاص اثر ڈالتا ہے جیسا کہ وھو اشدہ علی سے
ظاہر ہے [۹۴]۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف یکلخت نازل نہیں ہوا بلکہ آہستہ آہستہ نازل
ہوا اور اس طرز نزول میں کئی خوبیاں ہیں جن کے بیان کی اسجگہ ضرورت نہیں۔
جو سورتیں آنحضرت صلعم کی مکی زندگی میں نازل ہوئیں وہ مکی سورتیں کہلاتی ہیں اور
باقی مدنی۔ مگر بعض سورتوں کے متعلق اختلاف ہوا ہے کہ وہ مکی ہیں یا مدنی۔ لیکن
یہ اختلاف کمزور ہے اور روایت اور درایت دو طرح دور کیا جا سکتا ہے۔

جو جو قرآن شریف کا حصہ نازل ہوتا جاتا تھا آنحضرت صلعم اسکے مختلف نسخے
لکھوا دیتے تھے اور یہ آپکا شروع سے ہی دستور العمل تھا چنانچہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ
جب حضرت عمرؓ غصہ کی حالت میں اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں داخل ہوئے
تو ان کے پاس لکھا ہوا قرآن شریف موجود تھا جسے وہ پڑھ رہے تھے۔ اسکے
علاوہ بعض لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ قرآن شریف یاد بھی کروایا جاتا تھا
جو قاری کہلاتے تھے۔ ظاہری اسباب کے لحاظ سے وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے

۹۴ نزول وحی کے وقت آنحضرت صلعم کی جو حالت ہوتی تھی اسکے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ولقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقا یعنی بعض اوقات آنحضرت صلعم کو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم پر سردی کے دنوں میں وحی اترتی لیکن جب وحی ختم ہوتی تو آپکی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پھوٹ کر پسینہ بہتا تھا"

قرآن شریف کی لفظی حفاظت ممکن ہو سکی ؛

قرآنی سورتیں قرآن شریف میں اسی ترتیب سے نہیں رکھی گئیں جس ترتیب سے ان کا نزول ہوا بلکہ آنحضرت صلعم نے خود الٰہی حکم کے ماتحت ان کی ایک خاص ترتیب مقرر کی ہے چنانچہ ہر سورۃ کے ختم ہونے پر آپ فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں موقع پر رکھو۔ اسی طرح ہر آیت کے نزول پر بھی آپ خود فرماتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں جگہ ڈالو۔ جو ترتیب سورتوں اور آیات کی آنحضرت صلعم نے مقرر کی وہی اب تک موجود ہے اور اس ترتیب کی لفظی اور معنوی خوبی قرآن شریف کے اندر غور اور تدبیر کرنے والوں پر مخفی نہیں ؛

مکّی سورتیں چونکہ مکہ اہل کتاب سے علاً بالکل خالی تھا اور اس میں سب مشرکین ہی بستے تھے۔ اسلئے مکّی آیات میں زیادہ تر شرک اور بت پرستی ہی کی تردید کی گئی ہے اور ہستی باری تعالیٰ اور توحید کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ اسکے علاوہ سلسلہ رسالت کی حقانیت اور محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت کا ثبوت اور اسپر کفار کے اعتراضات کا جواب اور گذشتہ انبیاءؑ کے حالات درج ہیں۔ پھر ملائکہ کا وجود اور قیامت اور جزا سزا اور بہشت اور دوزخ اور تقدیر وغیرہ کے مسائل پر دلچسپ بحثیں ہیں اور عام فہم طریق پر ان مسائل کے اوپر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسکے علاوہ بدعادات اور جاہلانہ رسوم سے روکا گیا ہے اور نیک اخلاق اور عادات حسنہ کی طرف بلایا گیا ہے اور پھر اس سے اوپر کے مقام یعنی عرفان الٰہی کی راہیں بتائی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی طرف رہنمائی کی گئی ہے اور یہی وہ باتیں ہیں جن کی سب سے زیادہ اور سب سے پہلے انسان کو ضرورت ہے ؛

عبادات میں مکّی سورتیں سوائے نماز کے حکم کے باقی تمام عبادات کے ذکر سے خالی ہیں۔ چنانچہ حج اور روزہ کا کہیں ذکر نہیں آتا کیونکہ یہ سب مدینہ میں فرض ہوئے

اسی طرح باقاعدہ زکوٰۃ بھی مدینہ میں ہی فرض ہوئی - - - - - - - -

- - - اور نماز میں بھی صرف عام روزانہ نماز کے احکام ہیں۔ جمعہ اور نماز جنازہ کا کہیں ذکر تک نہیں کیونکہ نماز جمعہ و جنازہ و عیدین سب ہجرت کے بعد مشروع ہوئیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہجرت سے پہلے سفرو حضر دونو کے لئے صرف دو رکعت نماز تھی سوائے مغرب کے جو تین رکعت تھی مگر ہجرت کے بعد سفر کے لئے تو وہی دو رکعتیں قائم رہیں لیکن حضر کے لئے چار رکعتیں کر دی گئیں سوائے فجر اور مغرب کے جو اصل صورت پر قائم رہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مکّہ میں مسلمان بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے گو بعض روایات سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلعم خانہ کعبہ اور بیت المقدس دونو کو سامنے رکھ لیتے تھے ؎

جہاد بالسیف کا ذکر بھی مکّی آیات میں کہیں نہیں ملتا کیونکہ مکّہ میں آنحضرت صلعم کو عفو کا حکم تھا اور کفار پر اتمام حجت کیا جا رہا تھا۔ پھر جب اتمام حجت ہو چکا اور کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے بلکہ دن بدن اپنی ایذا رسانیوں میں ترقّی کرتے گئے اور ہجرت کے بعد بھی انہوں نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو آخر مجبور ہو کر آپ کو تلوار کے مقابل میں تلوار اُٹھانی پڑی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت دی گئی ؎

اسی طرح چونکہ مکّہ میں اسلامی سوسائٹی کی بالکل ابتدائی حالت تھی بلکہ سچ پوچھئے تو اسلامی سوسائٹی کوئی تھی ہی نہیں کیونکہ قریش کے مظالم نے سب مسلمانوں کو منتشر کر رکھا تھا اس لئے مکّی سورتوں میں ہم کو تمدنی تعلقات پر کوئی احکامات نظر نہیں آتے۔ اسی طرح سیاسی احکامات بھی مکّی آیات میں مفقود ہیں۔ گویا فقہی مسائل سے مکّی سورتیں قریباً بالکل خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکّی سورتیں عام طور پر بہت چھوٹی ہیں اور ان کی زبان بھی زیادہ زوردار جوش والی اور موزون ہے

بمقابلہ مدنی سورتوں کے جن میں احکامات کی کثرت اور فقہی مسائل کی پیچیدگیوں کی وجہ سے طرز بیان میں مناسب تبدیلی آگئی ہے اور یہ تبدیلی نہایت موزون اور برمحل ہے کیونکہ بلاغت اسی میں ہے کہ مضمون کے مناسب کلام کی طرز ہو ؛

ارتقاء نبوی

صحیفہ قدرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سب کاموں میں تدریجی ترقی کے اصول کو مدنظر رکھا ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں ملیگی جس نے اپنی موجودہ صورت بغیر اس تدریجی سلسلہ میں سے گذرنے کے یکلخت حاصل کرلی ہو۔ یہی اصول انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی میں بھی کام کرتا نظر آتا ہے اور اگر ذرا نظر غور سے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اور چیزیں تدریجاً ترقی کرتی ہیں اسی طرح انبیاء بھی اپنی نبوت اور فرائض اور کام کے متعلق یکلخت اس انتہائی مقام تک نہیں پہنچ جاتے جس پر انکے سلوک کے مراتب ختم ہوتے ہیں بلکہ آہستہ آہستہ کئی درمیانی حالتوں میں سے گذرنے کے بعد اپنے آخری مقام کو حاصل کرتے ہیں۔ یہ تدریجی نشو و نما قانون فطرت کے عین مطابق ہے اور کئی لحاظ سے مفید بلکہ ضروری ہوتا ہے۔ مگر اسجگہ ان تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ اسجگہ ہم کو مختصر طور پر صرف یہ دکھانا منظور ہے کہ آنحضرت صلعم کے حالات زندگی میں بھی یہ تدریجی سلسلہ نمایاں طور پر نظر آرہا ہے۔ مثلاً ہم دیکھ چکے ہیں کہ وحی کا آغاز یکلخت نہیں ہو بلکہ آہستہ آہستہ آنحضرت صلعم کو اس کوچہ سے آشنا کیا گیا تا آپؐ کی طبیعت فوری انقلاب کے بد اثرات سے محفوظ رہے اور تا آپؐ الہام اور وحی کے متعلق تدریجی سیڑھیوں پر سے گذر کر اس پختگی کو حاصل کرسکیں جو بصورت دیگر محال ہے۔ لکھا ہے کہ سب سے پہلے آپ پر رویا صادقہ کا دروازہ کھولا گیا اور آپؐ کو سچے خواب آنے لگے جو وقت پر پورے ہو ہو کر آپ کی پختگی کا موجب ہوتے رہے اور یہ سلسلہ برابر چھ ماہ تک جاری رہا اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ رویا صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلعم کا زمانہ نبوت

۲۳ سال پر پھیلا ہوا ہے جس میں چھ ماہ یعنی نصف سال رؤیا صادقہ کا زمانہ ہے۔
جب آنحضرت صلعم اس کوچہ سے ایک حد تک آشنا ہو چکے اور طبیعت نبوت کی پختگی کو پہنچ گئی تو غار حراء میں جس میں آپ عبادت حق تعالیٰ کے لئے جایا کرتے تھے آپ کے پاس الٰہی رسول آیا اور رؤیا صادقہ سے اوپر کا مقام آپ پر کھولا گیا لیکن باوجود اسکے کہ آپ ایک حد تک اس کوچہ سے آشنا ہو چکے تھے آپ کی طبیعت اس تبدیلی کو پہلے موقعہ پر پوری طرح برداشت نہیں کر سکی اور آپ سخت گھبرا گئے حتیٰ کہ آپ کو اپنی جان کے متعلق خوف پیدا ہو گیا کہ معلوم نہیں کیا ہونیوالا ہے اور اس فرشتہ کی آمد کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ گھبراہٹ اور اضطراب آپ کو ایک عرصہ تک تکلیف دیتا رہا حتیٰ کہ اس ربانی رسول کے بار بار آپ کے پاس آنے اور آپ کو تسلّی دینے کے بعد آپ کو پورا پورا سکون حاصل ہوا۔
اس اطمینان کے بعد آپ نے اپنا کام شروع کیا مگر اس کام میں بھی تدریجی ترقی کا پہلو موجود ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے پہل آپ نے عام تبلیغ شروع نہیں کی بلکہ صرف اپنے خاص دوستوں اور ملنے والوں تک اسکو محدود رکھا اور برابر تین سال تک نہایت خاموشی کے ساتھ خفیہ طور پر فرض تبلیغ ادا کرتے رہے۔
اسکے بعد آپ نے الٰہی حکم کے ماتحت کھلی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا مگر اس زمانہ میں بھی آپکے کام کا دائرہ عموماً مکّہ والوں تک محدود تھا اور ان میں سے بھی قریش خصوصیت کے ساتھ آپ کے مخاطب ہوتے تھے۔ بے شک باہر سے آنے والوں کے لئے بھی پیغام حق کھلا تھا مگر اصل زیر تبلیغ مکّہ والے ہی تھے اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ لیکن جب مکّہ والوں نے نہ صرف انکار پر اصرار کیا بلکہ اس بات کا بھی معاہدہ کر لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات قطع کر لئے جاویں اور ان کو بائیکاٹ کر دیا جاوے تو آنحضرت صلعم نے بھی اپنی توجہ مکّہ والوں سے ہٹا کر دیگر قبائل عرب کی طرف پھیر لی۔ طائف کا

سفر اسی تبدیلی کا نتیجہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں قریش میں سے اسلام لانے والوں کی تعداد بہت ہی کم نظر آتی ہے اور ان کی جگہ دیگر قبائل عرب میں اسلام زیادہ پھیلتا ہوا نظر آتا ہے۔ یثرب کے قبائل اوس اور خزرج اس کی ایک نمایاں مثال ہیں۔ تبلیغی سیڑھی کی آخری پوڑی ہجرت کے بعد مدینہ میں ختم ہوئی جب آنحضرت صلعم نے سلاطین کے نام تبلیغی مراسلات بھیجے اور اسود و احمر کو پیغام شروع ہوا۔

اپنے انتہائی رتبہ اور مقام کے متعلق بھی آنحضرت صلعم پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے تدریجاً انکشاف ہوا۔ اوائل میں آنحضرت صلعم اپنے آپ کو صرف یکے از انبیاء اللہ سمجھتے تھے اور بس۔ اپنی افضلیت اور ختم نبوت کے متعلق قطعاً کوئی دعویٰ نہ تھا بلکہ اگر کوئی شخص آپ کو کسی نبی پر افضل قرار دیتا تو آپ اُسے روک دیتے حتّٰی کہ ہجرت کے بعد بھی آپؐ نے ایک صحابی کو جس نے ایک یہودی کے سامنے حضرت موسیٰؑ پر آپ کی فضیلت بیان کی تھی سختی سے روکدیا اور کہا کہ مجھے فضیلت مت دو۔ لیکن پھر ایک وقت آیا کہ آپ نے خود فرمایا کہ لو کان موسیٰ و عیسیٰ حییّن لما وسعھما الا اتباعی یعنی اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔"

پھر جب ایک موقع پر آپؐ کے سامنے کسی نے آپؐ کو سید البشر کہا تو آپؐ نے اسے روکا اور فرمایا ذاك ابراھیمؑ یعنی سید البشر تو ابراہیمؑ ہے لیکن پھر خود فرمایا انا سید ولد آدم یعنی میں بنی آدم کا سردار ہوں۔" یہ گویا ارتقاء علمی ہے کیونکہ آنحضرت صلعم خدا کی نظروں میں تو اوائل دعویٰ سے ہی افضل الرسل اور سید ولد آدم تھے مگر آپؐ پر اس کا انکشاف آہستہ آہستہ ہوا۔

ایک لطیف اور پُر معنی مقابلہ

خدائی کارخانے بھی عجیب ہیں۔ مکہ میں ادھر تو مسلمان قریش کے مظالم کا تختۂ مشق بن رہے تھے اور ان پر مصیبت پر مصیبت ٹوٹ رہی تھی اور وہ ایک نہایت کمزوری اور کس مپرسی کی حالت میں تھے اور ان کے مقابلہ میں قریش بڑے طاقتور تھے اور بظاہر ایسی صورت بنی ہوئی تھی کہ گویا اللہ کے مقابلہ میں بتوں کا پلہ بھاری ہے کیوں کہ بُت پرست نہایت زوروں میں تھے حتّٰی کہ انہوں نے خدا پرستوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور بُت پرستی کے مقابلہ میں اسلام کی ایسی حالت تھی کہ گویا یہ آج بھی اور کل بھی نہیں اور مسلمان بیچارے قریش کے خوف کی وجہ سے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے تھے اور قریش کے اس اثر کی وجہ سے جو کعبہ کے متولّی ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر ان کا تھا دوسری قومیں بھی مسلمانوں کی مخالف ہو رہی تھیں حتّٰی کہ جب نبی کریم اپنے آپ کو قبائل عرب کے سامنے پیش کرتے تھے اور انکو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور قریش کے خلاف انکی مدد چاہتے تھے تو قریش کے اثر کی وجہ سے کوئی قبیلہ اس بات کے لئے تیار نہ ہوتا کہ آپؐ کا ساتھ دے اور یہ کہکر انکار کر دیتے تھے کہ ہم تمام عرب کی تلواروں کا اپنے آپ کو نشانہ نہیں بنا سکتے۔ بلکہ بعض اوقات اُلٹا آپؐ پر ہنسی اور مذاق اڑاتے تھے۔ غرض ادھر تو مسلمانوں کا یہ حال تھا اور دوسری طرف انہی مکّی ایام میں جو قرآن کا حصہ آنحضرت صلعم پر نازل ہوا اسپر ہم نظر ڈالتے ہیں تو ایک اور ہی نظارہ نظر آتا ہے اور ایک بالکل ہی نیا نقشہ دکھائی دیتا ہے کیونکہ مکہ میں جتنی مسلمانوں کی کمزور حالت تھی اتنی ہی زیادہ مکّی سورتوں میں شان و شوکت نظر آتی ہے۔ اور مکّی آیات شروع سے لیکر آخر تک ایک ایسے جلال اور ہیبت اور رعب اور شان و شوکت کا نظارہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں کہ جس کی کوئی نظیر نہیں اگر کہیں نہایت زوردار الفاظ میں بتوں کی کمزوری اور ان کی حقارت بیان

ہو رہی ہے تو کہیں اللہ کی بڑائی اور اس کی طاقت اور جبروت اور قدرت کے پُراز جلال نقشے ہمارے سامنے رکھے جا رہے ہے۔ پھر کہیں اگر قریش کی آئندہ ناکامیوں اور ان کی ہلاکت کی پیشگوئیاں کی جارہی ہیں تو کہیں مسلمانوں کی آئندہ کامیابیوں اور ان کی بے نظیر ترقیوں کے وعدے دنیا کو سنائے جارہے ہیں۔ قریش ان باتوں کو سُنتے اور بے اختیار ہنس دیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ سب باتیں ہونیوالی تھیں اسلئے باوجود مسلمانوں کی ظاہری کمزور حالت کے اس کا کلام اسی جلال اور شوکت سے پُر تھا جو ایک فاتح کے شایان شان ہے۔ آنحضرت صلعم کی صداقت اور قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے پر یہ ایک نہایت زبردست دلیل ہے کہ عین اسوقت جب کہ ظاہری اسباب کی رو سے مسلمان کی حالت نہایت مایوس کن تھی اور وہ قریش کے مظالم کا تختہ مشق بن رہے تھے قرآن میں ایک نہایت فاتحانہ لب لہجہ اختیار کیا جا رہا تھا۔ اگر قرآن خدا کا کلام نہ ہوتا اور نعوذ باللہ محمد رسول اللہ کا افترا کردہ ہوتا تو اس میں ہرگز یہ طرز اختیار نہ کی جاتی کیونکہ ایک بشر جس کی نظر نہایت محدود ہوتی ہے اور ظاہری اسباب سے آگے نہیں گذر سکتی ہمیشہ فطرتاً اپنی طرز کو اپنے حالات کے مطابق رکھتا ہے پس اگر قرآن محمد رسول اللہ کا کلام ہوتا تو مکی آیات بجائے مقتدرانہ شان و شوکت اور فاتحانہ لب و لہجہ کے مسلمانوں کی ظاہری حالت کا نقشہ پیش کرنے والی یعنی کمزوری اور بے بسی اور مایوسی کے رنگ میں رنگین ہوتیں مگر ایسا نہیں بلکہ جتنی زیادہ کمزور اور ناتوانی کی حالت مسلمانوں کی مکہ میں تھی اسکے مقابلہ میں اتنی ہی زیادہ فاتحانہ شان و شوکت اور مقتدرانہ ہیبت خدا کے مکی کلام میں نظر آتی ہے جو آنحضرت صلعم کے منجانب اللہ ہونے کا ایک عظیم الشان ثبوت ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین +

خاکسار مرزا بشیر احمد

اطلاع ضروری

آنحضرت صلعم کی سوانح عمری جو "ہمارا آقا صلعم" کے نام سے ریویو میں چھ ماہ سے چھپ رہی ہے اس کا پہلا حصہ اس نمبر میں بفضلہ تعالیٰ ختم ہوتا ہے۔ اب انشاء اللہ آنحضرت صلعم کی مدنی زندگی کا دور شروع ہوگا لیکن چونکہ گرمیوں میں پوری پوری محنت اور توجہ سے کام نہیں لیا جا سکتا اور یہ کام خاص محنت اور توجہ چاہتا ہے اسلئے اگلا حصہ انشاء اللہ بشرط توفیق اکتوبر یا دسمبر ۱۹۱۹ء میں شروع کیا جاسکیگا۔ اس درمیانی عرصہ میں میں کچھ اسکے متعلق مطالعہ بھی کرسکونگا کیونکہ اس دور کے متعلق بعض امور ابھی تحقیق طلب ہیں۔ فقط والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد

5-7/19

حقیقی اسلامی پردہ

(حضرت مولوی شیر علی صاحب کے انگریزی مضمون سے ترجمہ کیا گیا۔)

کلکتہ کے ایک عیسائی اخبار میں ایک نہایت ہی شرمناک خط چھپا ہے جس نے اسلامی دنیا کے احساسات کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ کاتب خط نے اس پردہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کہ بعض لوگوں کا خود ساختہ ہے اور قرآن کریم کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہیں بھی اس کی تائید نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی تعلیم اور بانی اسلام کی مقدس ذات پر نہایت غیر مہذبانہ اور شرافت سے گرے ہوئے حملے کئے ہیں۔ ہم ہمیشہ سے ایسے دل آزار اعتراضات عیسائی صاحبان سے سنتے چلے آئے ہیں۔ مگر غضب تو یہ ہے۔ کہ جو کچھ بھی صاحب مذکور نے ہمارے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآن کریم کی تعلیم کے متعلق لکھا ہے۔ اسکی بنا عیسائی صاحبان نے اس نامکمل اور فاسد علم پر رکھی ہے جو ان کو اسلام کی تعلیم کے متعلق ہے۔ ہم اس ظلم کی شکایت جو انہوں نے ہمارے محبوب اور مقدس آقا کی پاک ذات پر فحش اعتراض کرکے کیا ہے کسی دنیوی گورنمنٹ سے نہیں کرتے۔ بلکہ ہم اپنا مقدمہ رب العالمین کی درگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ (کہ ہمارے آقا مسیح موعودؑ نے بھی ایک موقع پر یہی کہا تھا۔ میں دنیا میں مقدمات کرنے کیلئے نہیں آیا)۔

ہم اس حملہ کو جو کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ہے نظر انداز کرتے ہوئے اس کے اعتراضات کو جو اس نے پردہ پر کیئے ہیں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:-

"جب ہم کسی مسلمان کو پردہ کے عملی نقائص اور ان برائیوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو کہ اس کا نتیجہ ہیں۔ اور اس بنیاد اور وجہ کی کمزوری کو جس پر پردہ کی تمام عمارت کھڑی ہوئی ہے ظاہر کرتے ہیں۔ تو وہ ہمارے سامنے قرآن کریم کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میرے لئے یہ ناممکن ہے۔ کہ میں اس تعلیم میں جو کہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی ہے کوئی نقص نکالوں۔ مگر ایک معاملہ فہم اور دور اندیش انسان پر فوراً اس دلیل کی بیہودگی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ کیسا صریح ظلم ہے۔ کہ انسانیت کے ایک طبقہ کو ان تمام حقوق اور فوائد سے محروم کردیا جاوے جو کہ دوسرے طبقہ کو حاصل ہیں۔ دو نو طبقوں کے درمیان ایک قسم کی دیوار حائل ہے۔ کتنی بے گناہ جانیں ہیں۔ جو کہ اس منحوس رسم پردہ پر عمل کرنے کے باعث قبر کا مُنہ دیکھ چکی ہیں۔ ان بے چاریوں کو سہا لہا سال تک ایک محدود جگہ میں رہنا پڑتا ہے۔ اور ان کی عمر کا بہت سا حصہ اس زہریلی ہوا میں گذرتا ہے۔ جو کہ ان کی صحت کیلئے مہلک ہوتی ہے۔ میں تو جب چاہوں اور جہاں چاہوں اپنی صحت کے

قیام کے لئے جا سکتا ہوں۔ میں تو تمام پبلک نمائشیں اور تھیٹر دیکھوں مگر یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ میری لڑکی۔ یا بیوی یا بہن میرے ساتھ جا سکے؟ اس سے بڑھکر بے ہودہ اور شرمناک تعلیم کیا ہو سکتی ہے اگر کوئی تہذیب سے گری ہوئی رسم دنیا میں ہے تو یہی رسم پردہ ہے"۔

یہ ہے وہ اعتراض جو کہ پردہ پر کیا گیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ کیسی قابل افسوس ناواقفیت اسکو قرآن کریم کی تعلیم سے ہے۔ وہ مذکورہ بالا پردہ کو قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مگر تمام قرآن کریم کو چھان مارو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ایک ایک کر کے دیکھ جاؤ۔ تم ایک حدیث اور ایک آیت بھی ایسی نہیں ملیگی جو کہ ایسے پردہ کی تعلیم دیتی ہو جس کا حوالہ ہمارے عیسائی دوست نے دیا ہے۔ اگر اس کے خیال باطل میں کوئی ایسی آیت یا حدیث ہے تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں۔ کہ وہ اس کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ قرآن کریم جس پردہ کا حکم دیتا ہے۔ وہ مختصراً ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"مومن مردوں کو کہدو۔ کہ غض بصر سے کام لیں۔ اور اپنے فروج کی حفاظت کریں۔ اس طرح سے وہ پاکیزگی قلب میں ترقی کرینگے۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے اس کا جو وہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ایمان والی عورتوں کو بھی کہدو۔ کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھا کریں۔ اور اپنے فروج کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کیا کریں مگر ہاں جو مجبوراً ظاہر ہو۔ اور وہ گریبانوں کو اپنی چھاتیوں پر رکھیں اور اپنی زینت کو سوائے اپنے خاوند۔ والد۔ اپنے خاوند کے والد۔ اپنے بیٹے یا اپنے خاوند کے لڑکوں۔ اپنے بھائی۔ اپنے بھتیجے۔ اپنے بھانجے۔ یا اپنی خاص عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا ایسے مرد دائے جن کو عورتوں کی ضرورت نہیں یا ان

بچوں کے جو ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچے کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اور وہ چلتے وقت اپنے قدم کو زور سے زمین پر نہ ماریں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت زیور وغیرہ ظاہر ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی تمام توجہ کو لگا دو اے ایمان والو۔ تاکہ اس کے نتیجہ میں تم کو خوشی اور کامیابی حاصل ہو"۔

یہ ہیں وہ احکام جن پر اسلامی پردہ کی بنا ہے۔ اور ان کی مختصر تشریح یہ ہے:

۱۔ عورتوں کو حکم ہے۔ کہ وہ اپنی آنکھوں کو روکیں۔ اور اجنبی اور غیر محرم لوگوں پر نظر ڈالنے سے بچیں۔ جب وہ کام کے لئے اِدھر اُدھر جاویں۔ تو نظر کو نیچی رکھیں۔

۲۔ اس حکم کا اثر مرد اور عورت دونو پر یکساں ہے۔ اور یہ حصۂ پردہ صرف عورتوں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ مرد بھی اس میں شامل ہیں۔

۲۔ انہیں اپنے فروج کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ اس حکم میں بھی مرد اور عورت دونو شامل ہیں۔

۳۔ انہیں اپنی (عام رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہے) زینت ظاہر نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر ہاں جو مجبوراً ظاہر کرنی پڑتی ہے۔

۴۔ انہیں اپنے گریبان اپنی چھاتیوں پر ڈالنے چاہیئیں۔

۵۔ چلتے ہوئے انہیں اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہیں مارنے چاہییں تاکہ ان کے زیورات ظاہر نہ ہوں۔

یہ ہے وہ پردہ جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔ اور ہر ایک پڑھنے والے پر یہ بات واضح ہے۔ کہ اس اسلامی پردہ میں جو کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس پردہ کا نشان تک نہیں پایا جاتا جس پر صاحب مذکور نے اظہار نفرت کیا ہے۔ اور جس کو اپنی کم علمی کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسلام یہ نہیں سکھاتا۔ کہ عورتوں کو قیدیوں کی طرح

علیحدہ مکانوں میں رکھا جاوے اور نہ ہی یہ چاہتا ہے۔ کہ وہ اپنے گھر کی چاردیواری میں ہی محبوس رہیں۔ ان کو آزادی ہے۔ کہ وہ ضرورت کے وقت باہر جاویں اور اپنا کام کریں۔ ہاں ان کو کچھ احتیاطات کرنے کا حکم ہے۔ جو کہ موجب ہیں پاکدامنی اور پاکیزگی کا اور جن کے مدنظر ایک نہایت ہی پاکیزہ مقصد ہے اس مقصد کا ذکر اسی آیت میں ہی پایا جاتا ہے جس میں احکام پردہ مذکور ہیں اور وہ یہ ہے۔ کہ تاکہ وہ زیادہ پاکیزہ ہوں۔

پس اسلامی پردہ کا واحد مقصد دل کو تمام بُرے خیالات سے پاک اور محفوظ رکھنا ہے۔ یہ بھی یاد رہے۔ کہ یہ پردہ صرف عورتوں کیلئے ہی نہیں۔ بلکہ اس کا احاطہ مردوں کو بھی گھیرے ہوئے ہے۔ کیونکہ اسلامی پردہ کے دو حصے ہیں۔ نگاہوں کو نیچا رکھنا۔ اور ہاتھ اور چہرے کے علاوہ باقی تمام زینت کو پوشیدہ رکھنا۔

پہلے حصہ میں مرد اور عورت دونو شامل ہیں۔ اور دوسرا حصہ جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔

اسلام کی تعلیم کی خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ بُرائی کو جڑ سے اکھیڑتا ہے۔ یعنی جذبات کے ابھرنے کے موجبات اور مسببات کو ہی بند کرتا ہے۔ اسلام مسلمانوں کو صرف یہ نہیں سکھاتا۔ کہ تم جذبات اور شہوات کا مقابلہ کرو۔ بلکہ وہ سکھاتا ہے کہ تم ان باتوں سے بھی اجتناب اختیار کرو جو سبب ہوتے ہیں شہوات اور جذبات کے ابھرنے کا۔

مذکورہ بالا اسلامی پردہ اسی اصول پر مبنی ہے اور یہی مقصد اس کے مدنظر ہے۔ اسلامی پردہ محض صفائی قلب کے لئے ہے۔ اگر یورپ اور دوسرے عیسائی ممالک میں اس پر عمل ہوتا۔ تو وہ برائیاں جو آجکل پائی جاتی ہیں ان سے بچ جاتے۔ اور تمام وہ بُرے نتائج

جس کو وہ بھگت رہے ہیں اور جنہوں نے انسانی خوشنما چہروں پر ایک دھبہ لگایا ہوا ہے اس سے محفوظ رہتے۔ یہ بھی خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اسلامی پردہ عورتوں کی جائز آزادی میں مخل نہیں ہوتا۔ وہ کام کے لئے اپنے گھروں سے باہر جا سکتی ہیں۔ وہ اپنی صحت کے قیام کے لئے سیر یا کوئی اور ورزش کمال آزادی سے کر سکتی ہیں۔

اور تمام وہ باتیں جو انکو محظوظ کرتی ہیں بشرطیکہ وہ ان کی پاکدامنی کا خون نہ کریں ان میں وہ پوری آزادی سے حصّہ لے سکتی ہیں۔ وہ لیکچروں میں شامل ہو سکتی ہیں۔ وہ تمام کاروبار کر سکتی ہیں۔ وہ بیماروں کی تیمارداری کر سکتی ہیں خواہ وہ بیمار مرد ہو یا عورت۔ وہ دوران جنگ میں بطور دایا کے کام کر سکتی ہیں۔ وہ ہر ایک بات جو کہ ان کی پاکدامنی کے خلاف نہیں ہے مذکورہ بالا پردہ میں رہ کر کر سکتی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ اسلام میں عورتوں کو اپنی مغربی ممالک کی بہنوں سے بہت زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ مگر مگر ان احتیاطات کے ساتھ جو کہ میں نے اوپر ذکر کر دی ہیں۔ اور بعض وہ احتیاطیں آدمیوں پر بھی لازم ہیں۔

پس یہ احتیاطات اور قیود عورتوں کے لئے لعنت نہیں جیسا کہ عیسائی صاحبان کا خیال ہے بلکہ بہت بڑی برکات کا موجب ہیں۔ اگر یورپ اور دوسرے ممالک چاہتے ہیں۔ کہ ان برکات کا ان کو علم ہو اور وہ اس میں حصّہ لے سکیں۔ تو وہ ان کو ایک دفعہ آزما کر تو دیکھیں۔

حقیقت تو یہ ہے۔ کہ جو احتیاطات اسلام نے عورتوں کے لئے رکھی ہیں وہ واحد علاج ہیں ان برائیوں کا جس میں آج یورپ کی سوسائٹی مبتلا ہے یورپ کی نجات اسی پر موقوف ہے۔ کہ وہ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو۔ اور وہ دن دور نہیں ہیں۔ کہ جب یورپ مجبور ہو گا۔ کہ نجات حاصل

کرنے کے لئے اسلام کے سکھائے ہوئے راستہ پر قدم زن ہو۔

اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ حد سے بڑھی ہوئی قیود کہ جن میں بعض مسلمان ممالک کی عورتیں آجکل مقید ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کہیں ان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ حفصہ بنت سیرین جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ہوئیں وہ فرماتی ہیں:۔

"آج ہم اپنی لڑکیوں کو عید کے دن باہر جانے نہیں دیتے۔ مگر ایک عورت آئی جو کہ بنی خلف کے محل میں آکر اتری۔ میں اسکو دیکھنے کے لئے گئی۔ اس نے مجھے بتایا۔ کہ اس کا بہنوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر بارہ جنگوں میں لڑا۔ چھ میں اسکی بہن اپنے خاوند کے ساتھ جنگ میں شامل تھی۔ اور چھ میں نہیں تھی۔ اور اس عورت نے مجھے یہ بھی بتایا۔ کہ ہم جنگوں میں جایا کرتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کو مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ اس عورت نے مجھے یہ بھی بتایا۔ کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ کہ اگر ایک عورت کے پاس کوئی سامان پردہ یعنی چادر وغیرہ نہ ہو۔ تو کیا اسپر گناہ تو نہیں اگر وہ نماز کو مسجد میں چلی جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ کہ اس کی دوسری بہن اسکو چادر دیدے یا دونوں ایک ہی چادر میں نماز کے لئے مسجد میں چلی جاویں۔

ربیع جو کہ معوذ بن عفرا کی صاحبزادی ہیں وہ فرماتی ہیں۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتی تھیں۔ اور ہم اپنے مردوں کو پانی وغیرہ مہیا کرتی تھیں اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ اور مُردوں اور زخمیوں کو مدینہ شریفہ میں واپس لاتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور العمل تھا۔ کہ جنگ کے موقع پر اور دوسرے سفروں کے موقعہ پر ایک بیوی کو ضرور ساتھ لے جاتے تھے۔ تاریخ سے ثابت ہے

کہ حضرت عائشہ رضؓ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بی بی تھیں اور حضرت ام سلیمہ رضؓ احد کے دن مشکوں میں پانی لا لا کر مردوں کو دیتی تھیں۔ اور ام سلیط رضؓ کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ مشکوں کی مرمت کرتی تھیں۔ فاطمۃ الزہراؓ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری صاحبزادی ہیں وہ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

خلفاء الراشدین کے زمانہ میں بھی عورتیں جنگ میں شریک ہوتی تھیں۔ جیسا کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ کہ ام حرام Cyprus کی مہم میں شامل ہوئی تھیں اور جب جنگ سے واپس آرہی تھیں۔ تو سمندر سے پار ہو کر کنارہ پر پہنچکر اپنے گدھے سے گر کر فوت ہو گئیں۔

عورتیں کھیل اور تماشا وغیرہ بھی دیکھ سکتی ہیں۔ بشرطیکہ اس کھیل یا تماشا میں شرافت سے گری ہوئی کوئی بات نہ ہو۔ مگر اس قیود اور احتیاطات کے ساتھ جنکی تفصیل اوپر وضاحت کی گئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ میں اپنے گھر کے دروازے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر حبشی مسلمانوں کے جنگی کرتب اور کھیل کو دیکھ رہی تھیں۔ جب مسجد نبوی میں وہ کھیل رہے تھے۔ اور بعض اوقات عورتیں آکر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے پاس گاتی بجاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو برا نہیں مناتے تھے۔

الغرض وہ پردہ جو اسلام نے سکھایا ہے۔ وہ عورتوں کی صحیح آزادی میں مخل اور حارج نہیں ہوتا۔ اور اگر یہی پردہ دوسرے مہذب ممالک میں رواج پکڑ جاوے تو اس سے سوسائٹی کو بہت سے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور عورتوں کی جائز آزادی بھی قائم رہ سکتی ہے ؎

کفّار مکّہ کے متعلق ایک عظیم الشّان قرآنی پیشگوئی اور اس کا پورا ہونا

(از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے)

قرآن شریف میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں مگر سب یکساں طور پر ظاہر نہیں بلکہ بعض کی اصل حقیقت غور اور تدبر کے ساتھ واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم ایک ایسی پیشگوئی بطور مثال کے درج کرتے ہیں جو بظاہر معمولی نظر آتی ہے مگر دراصل کفّار مکّہ کے متعلّق نہایت عظیم الشّان انقلابات کی طرف اشارہ کرنے والی تھی جو اپنے وقت پر پوری ہو کر مومنین کی زیادتی ایمان کا موجب ہوئی۔ اور اب بھی ہر غیر متعصب دل کی تسلّی کا موجب ہو سکتی ہے۔

لکھا ہے کہ ابتدا زمانہ تبلیغ میں جبکہ قریش کی طرف سے ایذا رسانی کا آغاز ہی تھا یہ آیات نازل ہوئیں تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنی عنه ماله وما کسب سیصلی نارا ذات لھب یعنی "ابولہب کے دو نو ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا اس کے مال نے اور باقی جو کچھ اس نے اپنے لئے کما رکھا ہے اسے کچھ بھی فائدہ نہ دیا" اب بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ابولہب نے آنحضرت صلعم کے لئے ہلاکت چاہی سو خود اس کے لئے ہلاکت مقدر ہو گئی مگر دراصل ان الفاظ میں ایک نہایت عظیم الشان پیشگوئی مخفی ہے

لیکن اسکے سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس آیت میں ابولہب سے صرف ابولہب ہی مراد نہیں بلکہ اسکو صرف کفار مکّہ کے نمائندہ کے طور پر چن لیا گیا ہے کیونکہ وہ ان میں شرارت اور تکلیف دینے میں سب سے آگے

نکلا ہوا تھا ورنہ در اصل سب کفّار مکہ مراد ہیں اور یہ کوئی تعجب انگیز امر نہیں بلکہ عام طور پر ایسے موقعہ پر سر غنہ قوم کو سب قوم کا قائم مقام قرار دے لیا جاتا ہے اور اسی کے ذکر کو کافی سمجھا جاتا ہے چنانچہ قرآن شریف نے کئی جگہ اس طرز کو اختیار کیا ہے کہ ایک شخص کا نام لیا اور پھر اسکے رنگ میں جتنے بھی رنگین ہوں سب مراد لے لئے۔ پس ان آیات کے یہ معنی ہوئے کہ " ابو لہب کے خصوصاً اور تمام کفّار مکہ (جو ابو لہب کے رنگ میں رنگین ہیں) کے عموماً دونو ہاتھ ہلاک ہو جائینگے اور وہ خود بھی ہلاک ہو جائینگے "

اب سوال ہوتا ہے کہ اسجگہ ہاتھوں سے کیا مراد ہے۔ سو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی زبان میں ید کا لفظ مجازاً عام طور پر دو مشہور معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اوّل۔ مال و دولت کیونکہ ہاتھ مال و دولت کے جمع کرنے اور خرچ کرنے کا ذریعہ ہے۔ دوسرے ید کا لفظ طاقت اور قوت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ ہاتھ طاقت و قوّت اور گرفت کا آلہ ہے۔ ان ہر دو معنوں میں ید کا استعمال عربی زبان میں عام ہے اور قدیم شعراءِ عرب کے کلام میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ قرآن شریف میں بھی لفظ ید کے یہ ہر دو استعمال پائے جاتے ہیں چنانچہ آیت مندرجہ ذیل ان دونو استعمالوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ یہود کے متعلق فرماتا ہے وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم ولعنوا بما قالوا بل یدٰہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء یعنی یہود یہ اعتراض کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ جو لوگوں سے چندہ اور زکوٰۃ وغیرہ مانگتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا خدا غریب اور کنگال ہے کہ خود اس کی مدد نہیں کر سکتا (لفظی ترجمہ یہ کہ اللہ کا ہاتھ (مال و دولت والا) بند ہے) اسپر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بدبختوں کے اپنے ہاتھ بند ہوں اور ان پر لعنت ہو اللہ کا ہاتھ تو بند نہیں ہے بلکہ اللہ کے تو دونو ہاتھ کھلے ہیں یعنی

تم جو یہ اعتراض کرتے ہو کہ اللہ کا مال والا ہاتھ بند ہے تو جان لو کہ وہ ہرگز بند نہیں بلکہ (اگر تم اس قسم کی شرارتوں اور کٹ حجتیوں سے باز نہ آؤ گے تو بدبختو یاد رکھو کہ) اس کا تو دوسرا (یعنی طاقت و قوت اور گرفت والا) ہاتھ بھی کھلا ہے پھر وہ تم کو اس سے پکڑیگا اور سخت سزا دیگا" آگے چلکر پھر اصل بات کی طرف عود کر کے فرمایا کہ ینفق کیف یشاء یعنی "اللہ تو کنجوس اور کنگال نہیں بلکہ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے" غرض ید سے عربی زبان میں مجازاً مال و دولت اور قوت و طاقت دونو مراد ہوتے ہیں۔

اب آیت زیر غور پر نظر ڈالو کہ "ابولہب سرغنہ قریش (یعنی بالفاظ دیگر سب کفارِ مکّہ جو شرارت اور ایذا رسانی پر تلے ہوئے ہیں) کے دونو ہاتھ تباہ ہو گئے (یعنی ہو جائینگے کیونکہ پیشگوئیوں میں بسا اوقات آئندہ ہونیوالے واقعات پر ماضی کا صیغہ بولدیا جاتا ہے تا ان کے یقینی وقوع کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ قرآن شریف میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں) اور وہ بھی تباہ و ہلاک ہو جائیگا" تو اس کا مطلب بالکل صاف اور واضح نظر آتا ہے کہ قریش کو دو ہی باتوں پر بھروسہ ہے اور وہ انہی دو باتوں کے گھمنڈ میں آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے ہیں اوّل ان کا مال و دولت اور دوسرے ان کی طاقت و قوت اور جتھہ وغیرہ۔ مگر اے محمد رسول اللہ تو لوگوں کو کھولکر سُنادے کہ وہ دن دُور نہیں کہ ان کے یہ دونو ہاتھ تباہ و برباد کر دیئے جادینگے اور یہ مال و دولت اور طاقت و جتھہ ہرگز ان کے کام نہیں آئیگا" اسی کی تشریح میں صنعتِ لفّ و نشر کے مطابق فرمایا ما اغنی عنہ مالہ یعنی ان کا ید اولیٰ یعنی مال و دولت بھی ان کے کام نہیں آئیگا وما کسب اور ان کا ید ثانیہ یعنی طاقت و قوّت اور جتھہ وغیرہ جو انہوں نے اپنا بنا رکھا ہے وہ بھی ان کے کام نہیں آئیگا بلکہ دنیا گواہ رہے کہ سیصلی نارًا ذات لھب عنقریب ایک

جنگ عظیم کی آگ شعلہ زن ہونے والی ہے اس میں یہ لوگ خود گرینگے اور بھسم ہو جائینگے اور اگلے جہان میں بھی ان سب کے لئے آگ ہی انتظار کرتی ہے"۔

یہ ان عظیم الشان پیشگوئیوں میں سے ایک ہے جو اسوقت تمام عرب کو سنادی گئی تھیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ظاہری حالت نہایت کمزوری کی تھی حتیٰ کہ کفار مکہ آپ پر ہنسی اور مذاق اُڑاتے تھے مگر بعد کے واقعات نے بتادیا کہ خدا کا کلام کس شان و شوکت اور آب و تاب کے ساتھ پورا ہوا۔

کیا ہر اک امام اور خلیفہ کا نبی کریم صلعم کی ظاہری اولاد سے ہونا ضروری ہے؟

۱۹۱۷ء کے ماہ جولائی و اگست میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد کے ماتحت میں ایک تبلیغی وفد کے ساتھ بمبئی گیا تھا۔ وہاں جیسا بھی خدا نے چاہا تبلیغی کارروائی ہوتی رہی۔ منجملہ اور بعض ٹریکٹوں کے جو ہم کو وہاں حسب ضرورت تیار کر کے شائع کرنے پڑے یہ مختصر سا ٹریکٹ بھی تھا جو درج ذیل ہے۔ یہ دراصل گجراتی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہوا تھا اور اسکے مخاطب زیادہ تر اسماعیلی شیعہ تھے جن کا بمبئی میں مرکز ہے اور جو آغاخاں کے مرید ہیں۔ کاغذات میں پڑا ہوا نکل آیا ہے اسلئے ہدیہ ناظرین ہے۔ خاکسار مرزا بشیر احمد ۸/۱۹/۷

مسلمانوں میں سے بعض فرقے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے اندر جتنے بھی امام اور خلفاء ہوں وہ سب لازمی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور جسمانی اولاد میں سے ہونے چاہیں اور اسکی تائید میں وہ حدیث الثقلین پیش کرتے ہیں جو بعض احادیث میں وارد ہوئی ہے اور وہ یہ ہے:۔ انی تارک فیکم الثقلین فان تمسکتم بھالن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ و عترتی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں تم اگر ان کو مضبوط پکڑوگے تو میرے بعد ہرگز نہ گمراہ ہوگے وہ دونو ایک دوسرے سے بزرگ تر ہیں خدا کی کتاب اور میری عترت" اس حدیث سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ امام اور خلیفہ آنحضرتؐ کی صرف ظاہری اولاد میں سے ہونا چاہیئے اور اس طرح وہ اصحاب ثلثہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور اس اُمت مرحومہ کے دیگر اماموں اور خلفاء کا انکار کردیتے ہیں اور صرف انہی کو قبول کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور جسمانی اولاد سے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جاوے اور قرآن شریف اور احادیث صحیحہ اور واقعات پر نظر ڈالی جاوے تو صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ خیال غلط ہے بلکہ ہر اک وہ شخص جو روحانی طور پر آنحضرتؐ کی اولاد میں سے ہو اور آپ سے تربیت یافتہ ہو اور آپؐ کا سچا اور کامل فرمانبردار ہو وہ امامت اور خلافت کا درجہ پاسکتا ہے خواہ وہ آپ کی جسمانی اولاد سے نہ ہو کیونکہ اوّل تو آنحضرتؐ کی نرینہ جسمانی اولاد کوئی چلی ہی نہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ نسل نرینہ اولاد سے شمار ہوتی ہے نہ کہ لڑکیوں سے دوسرے یہ کہ لغت کی کتابوں میں عترت کے معنی صرف ظاہری اولاد ہی کے نہیں ہیں بلکہ متعلقین اور متبعین پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے خاصکر خدا اور اسکے رسولوں کے کلام میں تو یہ اور اسی قسم کے دیگر الفاظ کثرت کے ساتھ روحانی تعلق رکھنے والوں کے مضمون میں استعمال ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی نظروں میں جو مرتبہ روحانی اولاد کا ہے وہ جسمانی اولاد کا نہیں اسی لئے جب حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا غرق ہونے لگا تو حضرت نوحؑ کے اس سوال پر کہ ان ابنی من اھلی (یعنی میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور میرے اہل کے بچانیکے متعلق تیرا وعدہ ہے) خدا نے فرمایا انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح یعنی یہ تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ بد اعمال ہے۔ دیکھئے یہاں پر گو ظاہری طور پر وہ نوح علیہ السلام

کا بیٹا ہی تھا اور آپ ہی کے نطفہ سے تھا لیکن خدا نے بوجہ بداعمال ہونے کے اسکو نوحؑ کا بیٹا نہ مانا پس ثابت ہوا کہ نبیوں کی اولاد سے عام طور پر ان کی روحانی اولاد مراد ہوتی ہے اور جو کوئی بھی رسول کا سچا تابعدار ہو وہ رسول کی اولاد بن جاتا ہے کیونکہ باوجود اسکے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کی ظاہری اولاد سے تھا لیکن چونکہ وہ نوح علیہ السلام کا سچا تابعدار نہ تھا بلکہ بدعمل تھا اس لئے خدا نے اسے غیر اولاد قرار دیا ؎

اسی طرح قرآن شریف میں لکھا ہے ازواجہ امھاتھم یعنی نبی کی بیبیاں مومنوں کی مائیں ہیں حالانکہ وہ ظاہری طور پر تو مومنوں کی مائیں نہیں بلکہ روحانی طور پر ہی مائیں ہیں۔ نیز جب رسول صلعم کی بیبیاں ہماری مائیں ٹھیریں تو خود رسولؐ ہمارا باپ ہوا کیونکہ جس کی بیوی ہماری ماں ہو وہ ہمارا باپ ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ سب مومن رسول صلعم کی اولاد ہیں خواہ وہ ظاہری اولاد سے ہوں یا نہ ہوں۔ اگر ایک سید نعوذ باللہ اسلام کو چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کرلے تو کیا وہ نبی کریم صلعم کی اولاد کہلا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ حالانکہ وہ ظاہرا طور پر تو اولاد سے ہی ہے اسی طرح اگر ایک ہندو کلمہ پڑھکر اسلام کے اندر داخل ہو جاوے اور نبی کریم صلعم کی اتباع کرے تو وہ آپؐ کی اولاد میں داخل ہو جائیگا حالانکہ ظاہرا طور پر وہ آپ کی اولاد سے نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ قرآن شریف اور عقل کا یہ متفقہ فتوی ہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں نبی کریم صلعم کی اولاد سے آپؐ کی روحانی اولاد مراد ہے اس لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم میرے بعد کتاب اللہ اور میری عترت کو مضبوط پکڑے رہنا یعنی کتاب اللہ کے احکام پر چلنا اور جو لوگ میری کامل اتباع کر کے میری روحانی اولاد میں داخل ہو گئے ہوں ان کے نمونہ کو اختیار کرنا جیسے دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین یعنی تم میری سنت اور میرے خلفاء کی سُنّت کو مضبوط

پکڑنا کیونکہ میرے خلفاء رشد والے ہونگے اور ہدایت یافتہ ہونگے"۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آنحضرت صلعم کے تمام خلفاء اور امام آپؐ کی ظاہری اولاد سے ہوں۔ تعجب یہ کہ جو لوگ عترت سے ظاہری اولاد مراد لیتے ہیں وہ خود بعض ایسے اماموں کو مانتے ہیں جو آنحضرت صلعم کی ظاہری اولاد سے نہیں ہیں کیونکہ وہ تو آپؐ کی لڑکی کے خاوند تھے اور آپؐ کے چچا زاد بھائی تھے نہ کہ آپؐ کی اولاد۔ حضرت علیؓ کی اولاد جو فاطمہ زہرا کے بطن سے ہو وہ بیشک مجازاً نبی کریم صلعم کی اولاد کہلا سکتی ہے لیکن خود حضرت علیؓ ہرگز ہرگز نبی کریم صلعم کی ظاہری اور جسمانی اولاد میں داخل نہیں ہیں۔ پس جب حضرت علیؓ باوجود عترت (بمعنی جسمانی اولاد) میں نہ ہونے کے امام بن سکتے ہیں تو اور کوئی کیوں نہیں بن سکتا۔ آنحضرت صلعم کے بعد سب سے پہلا امام جس کو ہمارے شیعہ بھائی مانتے ہیں وہ حضرت علیؓ ہیں لیکن وہی عترت میں داخل نہیں حالانکہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مرنے کے ساتھ ہی میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑونگا کتاب اللہ اور عترت۔ حضرت علیؓ کی شان کتنی بلند اور ارفع ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تعریف میں خواہ کتنے ہی الفاظ فرمائے ہوں وہ سب ہم کو قبول۔ لیکن بہرحال حضرت علیؓ عترت (بمعنی جسمانی اولاد) میں ہرگز داخل نہیں ہیں حالانکہ آنحضرتؐ کے بعد سب سے پہلے امام بقول اصحاب تشیع کے حضرت علیؓ ہی ہوئے۔ پس واقعات اور خود شیعہ صاحبان کے اعتقادات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ تمام امام اور خلفاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی اولاد سے ہوں اور جب یہ ضروری نہ ہوا تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور اس امت کے دیگر بزرگ جو آنحضرتؐ کی جسمانی اولاد سے نہیں ہیں مثلاً حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہودؑ وہ بھی امام ہو سکتے ہیں۔ وہو المراد

۱۲ 9/17

خاکسار مرزا بشیر احمدؐ ایم اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان پنجاب

یسوع مسیح کے پہاڑی وعظ کا ماخذ

(جناب ماسٹر محمد دین صاحب بی۔اے کے انگریزی مضمون سے ترجمہ کیا گیا)

عیسائی صحاب بسا اوقات دائرہ تحقیق وتنقید سے دور آگے تجاوز کرکے ایسا اعتراض کرگذرتے ہیں۔ جو انکے اپنے زعم میں تو بڑی اہمیت رکھتا ہوگا۔ لیکن محض تبدیلی نام سے وہی اعتراض خود ان پر بھی وارد ہوجاتا ہے۔ مشرقی دنیا میں عیسوی جدوجہد کی تمام عمر اسی مخمصے میں گذر گئی۔ کہ کچھ آیات قرآنی پیش کرکے یہ بحث چھیڑ دیا۔ کہ قرآن کریم عہد عتیق اور عہد جدید سے ماخوذ ہوکر انہی کی ہیر پھیر یا تصدیق اور تطبیق کرتا ہے۔ اپنے زعم میں انکا یہ کوئی ایسا معرکۃ الآراحملہ ہے۔ کہ بس اسلام کا اس سے فیصلہ ہوگیا۔ حالانکہ یہ تو محض بودا سا اعتراض ہے۔ بلکہ اسے تو اعتراض کہنا بھی کم علمی ہے۔ ریویو کے گذشتہ نمبروں میں یہ پہلو بالتفصیل دکھایا جاچکا ہے۔ کہ گذشتہ کتب کی تصدیق سے منشاء کیا ہے۔ اور یہ بھی ہم صاف کرچکے ہیں کہ قرآن کریم الہامی کتب مقدسہ میں سے آخری کتاب ہوکر گذشتہ کتب کی روح رواں کو کس طرح چھوڑ سکتا تھا۔ اور کہ پاکیزگی کے عام اصول ابتداء آفرینش اور نسل انسانی کی تاریخ کے زمانے سے اجتک ہر جگہ یکساں ہیں۔ اس لئے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ ان گذشتہ اصولوں کو بوسیدہ سمجھ کر پس پشت ڈال دیا جائے۔ اور کوئی نئے اصول وضع کرلئے جائیں۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اکرم سے قبل کے انبیاء اور تمام جلیل القدر پاکیزہ ارواح کے ساتھ ایک کھلی ناانصافی یہ ہوتی۔ کہ انسانی دماغ میں آئندہ کے لئے ان کی یاد ہی قائم نہ رہتی۔ اور انکے گرانقدر کام ناقص قرار دیئے جاتے۔ ہم تو وہی ہیں یا اسی قسم کے ہیں۔ جو کبھی ازمنہ گذشتہ میں تھے۔ تو آج یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ اس دیرینہ وراثت سے محروم اور دست بردار ہورہیں۔ اگر یوں بھی سمجھ لیا جاتا کہ قرآن کریم تو محض کتب سابقہ کا عکس ہے۔ کوئی تغیر اس میں نہیں۔ ترقی بھی نہیں۔ ایزاد بھی

نہیں۔ تب بھی ہم اس دلیل کی قوت اور شان کو تسلیم کر لیتے۔ اگرچہ یہ مخالفانہ حرف گیری اور تنقید شک و شبہ سے پاک نہیں ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم تو وثوق سے جانتے ہیں۔ کہ سینکڑوں نبی صرف اس کام کیلئے دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں کہ مخلوقِ خدا میں محض گذشتہ بھولی ہوئی باتوں کی یاد تازہ کریں۔ اور بس ؛

عقل سلیم بھی تو اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ نبی کے منصب کے لئے کوئی یہ خاص ضرورت نہیں۔ کہ وہ ضرور ہی کوئی نئے رنگ کا مقنن ہو۔ اور نیا قانون لائے اگر کوئی نبی صرف گذشتہ کی یاد دہانی۔ اپنے اسوۂ حسنہ اور مقناطیسی اثر اور قوت جاذبہ سے لوگوں میں تبدیلی پیدا کر سکتا ہے اور تقوے و طہارت کے بیج دلوں میں بو کر ان کو بامِ پاکیزگی کی اعلیٰ منازل تک سیر کرا چکا ہے۔ نہیں بلکہ اگر وہ صرف اتنا بھی کر چکا ہے۔ کہ انکو صراط مستقیم میں ہی خوبی سے چلا چکا ہے۔ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ ایسا شخص اپنا کام کرکے اپنی ذمہ واری سے عہدہ برآ ہو گیا اور اس نے اپنی عزت و وقار کا سکہ ہمارے دل پر بٹھا لیا۔ اور خراج تحسین و آفرین ہم سے وصول کر لینا اس کا حق ہو گیا ؛

کوئی عقلمند عیسائی یہ کہنے کی جرأت کبھی نہ کریگا۔ کہ دس احکام تو حضرت موسیٰؑ کے توسط سے ملے تھے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ کی آمد نے اب ان کو لوح سے محو و منسوخ کر دیا۔ لہذا کوئی عیسائی قوم آج سے انپر عملدرآمد نہ کرے یا کہ انکا توڑنا ہی کوئی مستحسن امر ہے۔ یا کہ ان دس کی جگہ اور کسی قسم کے دس احکام چن لئے جائیں تو بہتر ہیں یا کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے موسوی احکام یک قلم بدل چکے۔ رہا یہ۔ کہ خود حضرت عیسیٰؑ نے کونسی شریعت پیش کی۔ تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے گذشتہ انبیاءؑ اور رسل کی تعلیم کی بڑی قدر قیمت فرمائی۔ اس کا ثبوت انکے اس ذیل کے قول سے بہم پہنچتا ہے۔ انہوں نے فریسیوں اور فقیہوں کی تعلیم پر عمل کرنیکے لئے ترغیب دی۔ اگرچہ ان کے اعمال بد سے انہوں نے ڈرایا بھی۔ وہ قول

یہ ہے: متی باب ۲۳ آیت ۲- "تب یسوع لوگوں اور شاگردوں سے کہنے لگا۔ کہ فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ اس لئے جو کچھ وے تمہیں ماننے کو کہیں۔ مانو اور عمل میں لاؤ۔ لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔ کیونکہ وے کہتے ہیں پر کرتے نہیں۔"

جائے غور ہے۔ حضرت عیسیٰؑ تو اس تعلیم قدیمہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اپنے نصاب تعلیم میں صریحاً شامل کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو بھلا وہ اس طرح دیدہ و دانستہ کیونکر فرماتے۔ اور اپنی اُمت کو غلط راستے پر کیونکر ڈالتے۔ جبکہ پرانی تعلیم انکی آمد سے منسوخ ہو چکی تھی۔ اور اس کی جگہ نئے احکام اور جدید قوانین وضع ہوئے مگر نہیں ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ انھوں نے یہ کہا۔

اچھا اگر عیسائی پادری کو اس بارگراں اور رخت کہنہ کو اٹھانے سے دل تنگی ہے اور موسوی شریعت کے قبول کرنے میں کلام ہے۔ اور پولوس کی طرح یہ کہنے کی بھی جرأت ہے۔ کہ ہم تو اس پر مجبور نہیں ہیں اور یہ کوئی ضروری امور نہیں ہیں۔ تو ہم اس کی خاطر سے حضرت مسیحؑ کی تعلیم سے کچھ اور حوالجات پیش کرینگے۔ متی باب ۵ آیت ۱۷ "یہ مت خیال کرو۔ کہ مَیں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا ہوں۔ مَیں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ کیونکہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں۔ ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹیگا۔ جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے۔ اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے۔ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا۔ پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا۔ کیونکہ مَیں تمھیں کہتا ہوں۔ کہ اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی سے زیادہ نہ ہو۔ تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہوگے۔"

محولہ بالا قول پر ہی فقط محدود نہیں۔ اس مضمون میں ارادہ ہے کہ ایک نیا طریق استدلال اختیار کرکے عیسائی احباب کی ضیافت طبع کے لئے بہت کچھ پیش کریں۔

عقلی دلائل پیش کیئے گئے تو مسیحی صاحبان کی تسلّی نہ ہوئی۔ چنانچہ اب ہمارا منشا یہ ہوا ہے کہ حوالجات کے ذریعہ خوب واضح کردیں۔ کہ عیسوی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں بلکہ ہر پہلو اور ہر لحاظ سے عہد عتیق سے ہی ماخوذ ہے۔ اور قرآن کریم میں بھی اسی قسم کی تعلیم درج ہے۔ اور فطرۃً بھی یہی ہونا چاہیئے۔ ہم نہ صرف یہی ثابت کرینگے۔ کہ تعلیم ہی وہی ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ انجیل۔ انبیاء کی کتب اور پرانے یہودی علماء کی تحریروں اور اقوال سے لفظ بلفظ منقول ہے۔ پہلے ہم پہاڑ کے ہی معرکۃ الآرائے وعظ کو لیتے ہیں۔ یہ وعظ عیسائیت کی روح رواں سمجھا جاتا ہے اسی کو لیجئے۔ بانیٔ عیسویت کی تعلیم میں یہ وعظ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اور عیسائی بالعموم اسی کو غیر عیسائیوں کے سامنے ایک عدیم المثال تعلیم کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی اچھی بات ہوگی۔ کہ اسی وعظ سے اصلاح بھی ہو۔ ہم اس جگہ اندرونی اور بیرونی دونو شہادتوں کو لینگے۔ بیرونی شہادت تو اتنی ہی کافی ہے۔ کہ متی اسکو پہاڑی وعظ یا پہاڑ کا وعظ کہتے ہیں۔ تو لوقا بخلاف متی اسی وعظ کی جگہ پہاڑ کی بجائے ایک میدان ٹھیراتے ہیں۔ لوقا میں یہ وعظ بہ نسبت متی کے زیادہ مختصر ہے اور یہی اصل وعظ معلوم ہوتا ہے۔ متی جس نے اپنی انجیل یہود ناظرین کی خاطر لکھی۔ اُس نے یہودی بزرگوں کی تعلیم کو اسمیں شامل کر کے اس وعظ کو زیادہ لمبا اور مفصل بنادیا ہے۔ مرقس کو تو اِس وعظ کی مطلق خبر ہی نہیں۔ اسی طرح پولوس بھی اس وعظ پر خاموش اور مہر سکوت رکھتے ہیں۔ سارے وعظ میں سے نام کو بھی کوئی حصّہ درج نہیں کرتے۔ اس سے تو اس وعظ کے مستند ہونے میں بھی شک گذرتا ہے۔

فطرت انسانی میں یہ سوال اُٹھتا ہے۔ کہ آیا حقیقۃً وہ یسوع ہی تھے۔ جنھوں نے یہ تعلیم دی جو متی نے پہاڑی وعظ کے نام سے درج کی؟ پولوس کی خاموشی اور مرقس کا عدم علم ہر دو اسکے عدم وجود یا بکلی انکار کی طرف زیادہ مائل کرتے ہیں۔ اس وعظ کی حقیقت پر غور کرنیوالے اسی فیصلہ پر متفق ہیں۔ کہ یہ سب کا سب وعظ ایک موقعہ پر تو ہرگز نہیں کہا گیا۔

البتہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب کے سُتّوں کی طرح اور برہمنوں کے سوتروں کی طرح مختلف مواقع کی گفتگو یکجا جمع کردی گئی ہے۔ اور بہت سے اقوال غالباً اپنی طرف سے بھی بڑھائے گئے جنکی سند مشکوک ہے۔ بہت تھوڑے ایسے محقق ہیں جو اس تمام وعظ کو مسیح کا وعظ قرار دیتے ہیں۔ بیرونی شہادت تو اتنی ہی کافی سے زیادہ ہے۔

اب ہم اندرونی شہادت کو لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ آیا عہد عتیق اور یہودی علماء کی تحریر و تصنیف میں بھی اسی قسم کے الفاظ مل سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہم نے ڈھونڈھ کر دکھا دیا۔ کہ اور اس موازنہ میں کامیاب رہے۔ کہ اسی قسم کی بلکہ حرفاً حرفاً وہی تعلیم پُرانی کتب میں بھی موجود ہے۔ تو عیسائی صاحبان کو کلام نہیں ہونی چاہئیے۔ کہ وہ اس نئے سبق کو آج سیکھیں۔ کہ ہمیشہ تعلیم یزدانی اور احکام باری ابتدا سے آجتک ایک ہی قسم کے ہیں۔ اور وہ دوسرے مذاہب پر ایسے اعتراض کرتے وقت خود دُور اندیشی اور دُور بینی سے کسی مستحسن طریق پر غور کر لیا کریں۔ کہ آیا کہیں وہی اعتراض جو وہ دوسروں پر کرتے ہیں خود انکی اپنی تعلیم مقدسہ پر بھی تو چسپاں ہو کر صادق نہیں آتے۔ اگر ایسا ہے تو ان اعتراضوں کا فائدہ کیا۔ اب متی کے اس وعظ کو ہم آیت بہ آیت لیتے ہیں۔ متی اپنے اس وعظ کی ابتدائی آیات میں کہتا ہے باب ۵ آیت ۳ "مبارک وے جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمانی بادشاہت انہی کی ہے"۔ اور لوقا کہتے ہیں باب ۶ آیت ۲۰ "مبارک ہو تم جو غریب ہو"۔ اب ذرا فکر و غور سے کام لیا جاوے تو یہ یسعیاہ نبی کے باب ۶۱ کا ہی مضمون ہے۔ یہی تعلیم دیکھنی ہو تو یسعیاہ باب ۶۱ آیت اوّل سے اور باب ۵۷ آیت ۱۶ سے ملاحظہ ہو سکتی ہے۔ اور اگر متی کی عبارت اور الفاظ زیادہ ترجیح کے قابل ہیں تو انکا مقابلہ زبور باب ۳۴ آیت ۱۸ سے بھی ہوسکتا ہے:۔ "خدا ونداُنکے نزدیک ہے جو شکستہ دل ہیں اور انکو جو خستہ جان ہیں بچاتا ہے"۔ پھر اسی کتاب زبور کے باب ۵۱ آیت ۱۷ کا بھی ملاحظہ ہو سکتا ہے ایسا ہی دیکھو یسعیاہ باب ۶۶ درس ۲۔

ان خوشخبریوں کے موقعہ و محل کی نسبت بھی دو ایک الفاظ خالی از فائدہ نہ ہونگے۔ یہ طرز گفتگو اصل میں زبور میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ زبور کا استفتاحی لفظ یہ ہے:۔

"مبارک وہ آدمی ہے" عہد عتیق میں قریباً تیس ایسے فقرات ہیں۔ جو "مبارک ہیں" کے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں۔ "مبارک" کا لفظ عبرانی کی بائبل میں پینتالیس دفعہ واقع ہوا ہے۔ جن میں زبور کے چھبیس فقرے اسی قسم کے شامل ہیں۔ یہ خوشخبریاں جو مبارک ہے کے الفاظ سے شروع کی جاتی ہیں۔ امثال میں بھی موجود ہیں۔ واعظ کی کتاب اور انوخ کی کتاب میں بھی درج ہیں۔

یہاں ضمناً اِن خوشخبریوں کا مقابلہ کر لیا جاوے۔ تو گذشتہ کتب کی خوشخبریاں اناجیل سے زیادہ موزون اور قابل قدر ہیں لوقا کی خوشخبری "مبارک وہ جو غریب ہیں" زبور کی ذیشان خوشخبری سے لگا نہیں کھا سکتی۔ دیکھئے زبور باب ۴۱ آیت اوّل "مبارک ہے وہ جو مسکین کی فکر رکھتا ہے" عملاً تو یہی زبور کی خوشخبری قیمتی معلوم ہوتی ہے۔ غربت پر خوش رہنے کی نسبت مصیبت کو دُور ہٹانا زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ یہ خیال ہی فضول ہے کہ حضرت مسیحؑ نے کبھی دل میں یہ سمجھ رکھا ہو۔ کہ غرباء کا طبقہ ہی درحقیقت خوش و خرم ہوتا ہے۔ زندگی کا مشاہدہ تو ایسے خیالات کو یک قلم غلط ثابت کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ وعظ غربت زدوں کے ہی تنگ سے دائرے تک محدود تھا۔ جو فقر و غربت اور مسکین حالی میں گذارہ کرتے تھے۔ اس سے ان کی کچھ حوصلہ افزائی ہو جاتی تھی۔ کیونکہ جب کسی کو یہ بتا دیا جاوے کہ آسمانی بادشاہت میں غریب مبارک ہیں۔ اور اسکی چنداں پروا نہیں ہونی چاہیئے۔ تو یقیناً ایک حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے۔

اسی وعظ کی دیگر آیت متی باب ۵ آیت چہارم میں مرقوم ہے۔ "مبارک وے جو غمگین ہیں۔ کیونکہ وہ تسلّی پاوینگے" اس آیت کی اصل بنیاد یسعیاہ باب ۶۱ آیت ۱-۳ سے ملاحظہ ہو سکتی ہے۔ وہو ہذا۔ خدا نے مجھے مسیح کیا۔ تاکہ میں مصیبت زدوں کو خوشخبریاں دوں۔ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ میں ٹوٹے دلوں کو درست کروں۔ اور قیدیوں کے لئے چھوٹنے اور بند ہوؤں کے لئے قید سے نکلنے کی منادی کروں۔ ...... جو غمزدہ ہیں تسلّی بخشوں" علاوہ ازیں اسکے مقابل کی تعلیم زبور ۱۲۶ ورس ۵۔ زبور ۹۴ ورس ۱۲ و ۱۳۔

اور یسعیاہ باب ۱۵ آیت ۱۱ و ۱۲ میں پائی جاتی ہے۔ کیوں حضرت مسیحؑ نے بالارادہ اپنے وعظ کی پہلی دو آیتوں کو یسعیاہ باب ۶۱ آیت ۱-۲ کے رنگ میں شروع کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ انکو اپنے مسیحی مشن پر پورا اعتماد تھا۔ اسلئے ضروری تھا۔ کہ عہد عتیق کی طرز و تقسیم کے مطابق ہی چلتے اور غریبوں اور غمزدہ دوں شکستہ دلوں کو تسلّی دیتے۔ جیسا کہ یسعیاہ میں مسیحؑ کے متعلق لکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ کتب عبرانی میں تسلّی دہندہ کے نام سے مسیحؑ پکارا گیا ہے۔ اور اس خیال کی تصدیق میں کتب یہود میں سے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اناجیل میں بھی کافی شہادت ہے۔ جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ اپنے مشن میں تو پورا یقین رکھتے تھے۔ مگر آخر میں ناامیدی اور تلخ کامی ہی نظر آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تسلّی دہندہ آپکے بغیر کوئی دوسرا شخص ہے۔ اگرچہ وہ اپنے لئے بھی تسلّی دہندہ کا لفظ ہی استعمال کر گئے ہوں۔ لیکن اصل تسلّی دہندہ کوئی اور ہی تھا۔ جو آپکے پیچھے آنے کو تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ خود حضرت عیسیٰؑ اس دنیا کو چھوڑ جاتے اور اس نئے آنے والے کے لئے جگہ خالی کر جاتے۔ اور چونکہ وہ نئی تعلیم بھی جس سے اسکی آمد پر دنیا سرشار ہونیوالی تھی۔ دنیا کے آخر تک رہنے والی تھی۔ پس ضروری تھا کہ موسوی تعلیم سے کسی برتر تعلیم میں ترمیم ہو۔ کیونکہ اس نئی تعلیم نے تو آخر تک رہنا ہے۔ یہ دیکھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ یہ تسلّی دہندہ کون آیا۔ یقیناً روح القدس موعود تسلّی دینے والا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ روح القدس تو پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ مگر حضرت مسیحؑ کہتے ہیں۔ "جب تک میں نہ چلا جاؤنگا تسلّی دہندہ تم تک نہ آئیگا۔" یقیناً یہ تسلّی دہندہ حضرت مسیحؑ اور روح القدس کے علاوہ کوئی اور وجود ہے۔ اس تسلّی دہندہ کی تعیین خود ان علامات سے ہو سکتی ہے جو حضرت مسیحؑ نے بیان فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو یوحنا باب ۱۶ آیت ۷ تا ۱۴ "لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں۔ کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلّی دینے والا تم پاس نہ آئیگا۔ پر اگر میں جاؤں۔ تو میں اسے تم پاس بھیجدونگا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیر وار ٹھیرائیگا۔ گناہ سے اس لئے کہ وے مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں۔ اور تم مجھے پھر نہ دیکھوگے

عدالت سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں
پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آوے، تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ
بتاویگی۔ اسلئے کہ وہ اپنی نہ کہیگی۔ لیکن جو کچھ وہ سنیگی سو کہیگی۔ اور تمھیں آیندہ کی خبریں دیگی۔ وہ میری
بزرگی کریگی۔ اسلئے کہ وہ میری چیزوں سے پاویگی۔ اور تمھیں دکھاویگی۔ سب چیزیں جو باپ کی ہیں میری ہیں
اسلئے میں نے کہا کہ وہ میری چیزوں سے لیگی۔ اور تمھیں دکھاویگی۔ تھوڑی دیر اور مجھے نہ دیکھوگے۔ اور پھر
تھوڑی دیر اور مجھے دیکھوگے۔"

اب جب ہم تاریخ پر نظر کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنیوالا۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جس نے دنیا کو گناہ سے تقصیروار ٹھیرایا اور طہارت اور تقویٰ سے مطہر کر دیا۔ اور جس نے تقصیرواروں کے لئے سزا بھی بتا دی۔ یہ وہی سینہ اطہر تھا جس نے وہ ساری تعلیم پوری کر دی۔ جس کو حضرت عیسیٰؑ بھی نامکمل چھوڑ گئے تھے۔ کیونکہ اس زمانے کی دنیا حتیٰ کہ آپ کے حواری بھی ان اسباق کی استعداد نہ رکھتے تھے۔ وہی معلم صادق تھا جس نے سچائی کی تعلیم کو مکمل کر دیا۔ یہود اور نصاریٰ کے تمام نقائص اور غلطیاں صاف صاف دکھا دیں۔ پھر اس نے اپنی طرف سے بھی کچھ ایزاد کر کے نہ کہا۔ بلکہ نہایت دیانت و امانت سے دنیا کے حوالے وہی کر دیا جو کچھ کہ اسے ملا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ ترجمہ وہ (نبی صلعم) اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ وہی کہتا ہے جو الہام ایزدی کے ذریعہ اس پر اترتا ہے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ وہ روح حق اپنی نہ کہیگی۔ لیکن جو کچھ وہ سنیگی۔ سو کہیگی۔ بالآخر سب سے پہلا دنیا میں وہی انسان تھا۔ جس نے حضرت عیسیٰؑ اور بالخصوص حضرت مریمؑ پر یہود کے نہایت قبیح حملوں کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ وہ روح حق میری بزرگی کریگی۔ یہی وہ انسان تھا۔ جس نے حضرت مسیحؑ کی سچائی کو دنیا میں قائم و مستحکم کر دیا۔ اور انکی پاکیزگی و عصمت کو ثابت کر دکھایا۔ جبکہ دوست و دشمن اپنے اپنے طرز عمل اور عقائد کے رو سے اُن کی پاکیزگی پر حملے کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تطہیر کا جو وعدہ حضرت مسیحؑ سے کیا تھا اور جس کا ذکر قرآن شریف میں ومطھرک من الذین کفروا کی آیت میں کیا گیا یہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی پورا ہوا جیسا کہ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ وہ روح حق میری بزرگی کریگی ؎

(باقی آیندہ انشاء اللہ تعالےٰ)

بقایا صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء

صیغہ تعلیم	۰	۱۵	۱۱۴۶۶
اشاعت اسلام	۱۰	۶	۶۸۴۸
مقبرہ بہشتی	۵	۷	۱۰۳۶۳
صیغہ مساکین	۲	۱۳	۸۱۳۹
" زکوٰۃ	۸	۵	۱۶۶۳
مستقل فنڈ	۶	۲	۳۹۰۲
امانت اندرونی	۰	۱۱	۸۲۹۷
" بیرونی	۰	۰	۵۴۴
بورڈران احمدیہ	۶	۱۵	۳۱۷
میزان بقایا	۱	۱۳	۵۱۵۴۳
فاضلہ	۷	۴	۳۱۶۷۷
باقی	۶	۸	۱۹۸۶۶
پیشگی	۶	۸	۱۲۲۱۱
اصل باقی	۰	۰	۷۶۵۵

فاضل صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء

بورڈران ہائی	۹	۸	۹۱۲
مدرسہ احمدیہ	۷	۱۲	۶۵۵۹
بیت المال	۱۱	۱۴	۱۴۲۱۰
تعمیر	۰	۱۱	۳۶۳۲
یتامیٰ	۴	۴	۳۲۵
متفرقات	۳	۳	۴۴۱۶
صدقات وظائف	۹	۱۳	۱۶۱۹
میزان	۷	۴	۳۱۶۷۷

عبد المغنی — محاسب

محمد اشرف — ناظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جماعت احمدیہ کی پیروان مسیح ناصری سے مماثلت

اور اس کے متعلق

مولوی محمد علی صاحب کے غلط خیالات کی تردید

{ماخوذ از جدید تصنیف حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بجواب انگریزی رسالہ دسپلٹ، مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے}

مولوی محمد علی صاحب شروع کتاب میں ہی تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ سلسلۂ احمدیہ سلسلۂ مسیحیہ کا مثیل ہے اس لئے ضرور تھا کہ اس میں بھی ایک فریق غلو سے کام لیتا اور حق کو چھوڑ دیتا اور اس پر انہوں نے خاص طور پر زور دیا ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ صرف اسی مشابہت سے ہی ہمارے اور انکے درمیان بین فیصلہ ہو جاتا ہے۔ مگر مولوی صاحب شاید یہ بات نہیں سمجھتے کہ مشابہت سے ہر ایک امر میں مشابہت ہونی ضروری نہیں بلکہ مثیل کبھی اس سے جس کا وہ مثیل ہوتا ہے درجہ اور کامیابی میں بڑھا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ صرف ایک ہی مثیل نہیں ہے بلکہ آپ کے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک نبی کے مثیل ہیں یعنی حضرت موسیٰؑ۔ مگر باوجود اس کے آپ کے صحابہ کے ساتھ اسی رنگ میں معاملہ

نہیں ہوا جس رنگ میں کہ حضرت موسیٰ ؑ کے صحابہؓ سے اور نہ آپ کے صحابہ نے حضرت موسیٰ ؑ کے صحابہ کا سا نمونہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل موسیٰ ہونا ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ انا ارسلنا الیکم رسولًا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولًا۔ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ ؑ کا مثیل اور مشابہ قرار دیا ہے۔ تورات بھی یہی کہتی ہے خدا تعالیٰ موسیٰ ؑ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ "میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا" استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ ؑ کے مثیل اور اس سے مشابہ تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں آپ کو حضرت موسیٰ ؑ سے مشابہت ہیں ہیں وہاں آپ کی کامیابیاں حضرت موسیٰ ؑ سے بہت بڑھی ہوئی ہیں حضرت موسیٰ ؑ سے بھی ایک وعدہ کیا گیا تھا کہ کنعان کی زمین ان کو دی جاویگی تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے ان کے ٹھہرنے کا مقام ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک وعدہ دیا گیا تھا کہ حرم (حوالی مکہ) کی سرزمین ان کو دی جاویگی تا ہمیشہ کے لئے انکے ٹھہرنے کا مقام ہو مگر حضرت موسیٰ ؑ جب اس ملک کے فتح کرنے کے لئے چلے تو باوجود اس کے کہ انکی قوم نے ان سے پوری مدد کا وعدہ کیا تھا۔ عین موقعہ پر انہوں نے موسیٰ ؑ کو یہ جواب دیا کہ یٰموسیٰ انا لن ندخلھا ابدًا ما داموا فیھا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ (سورۂ مائدہ رکوع ۴)۔ یعنی اے موسیٰ ہم اس زمین میں کبھی داخل نہ ہونگے جبتک کہ اس میں اس کے پہلے قابض لوگ موجود ہیں۔ پس تُو اور تیرا ربّ جاؤ اور ان سے جا کر لڑو ہم تو یہ بیٹھے ہیں" حتی کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے اور لڑائی کا ارادہ چھوڑنا پڑا اس کے مقابلہ میں ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کا انصار سے یہ معاہدہ تھا کہ صرف اسوقت کہ ہم پر کوئی مدینہ میں حملہ آور ہو تمہارا فرض ہوگا کہ تم ہماری مدد کرو۔ اور یہ معاہدہ بیعت عقبہ کے وقت جو انصار سے آپ نے

ہجرت کرنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں لی تھی کیا تھا۔ چنانچہ مشہور مؤرخ ابن ہشام لکھتا ہے کہ انصار نے رسول اللہ سے معاہدہ کیا تھا کہ یارسول اللہ انا براء من ذمامك حتّٰی تصل الیٰ دیارنا فاذا وصلت الینا فانت فی ذمتنا نمنعك مما نمنع منه ابناء نا ونساء نا۔ یعنی یارسول اللہ مدینہ سے باہر ہم آپ کی حفاظت کے ذمہ وار نہیں ہاں مدینہ پہنچکر پھر ہم آپکے ذمہ وار ہیں ہم جن باتوں سے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بچاتے ہیں آپ کو بھی بچائینگے یعنی جس طرح اپنی جانیں دیکر ہم اپنی اولاد اور بیویوں کو قید اور قتل ہونے سے بچاتے ہیں آپ کو بھی بچائینگے۔ پس جب بدر کی جنگ ہوئی اور آپنے ارادہ کیا کہ دشمن کو روکنے کے لئے ہم آگے نکلکر اس کا مقابلہ کریں تو لکھا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یتخوّفُ ان لا تکون الانصار ترٰی علیها نصرته الا ممن دھمه بالمدینة من عدو وان لیس علیھم ان یسیر بھم الیٰ عدو من بلادھم فلمّا قال ذٰلك رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال له سعد بن معاذ واللہ لکانك ترید نا یارسول اللہ قال اجل قال فقد اٰمنا بك وصدقناك وشھدنا ان ما جئت به ھو الحق واعطیناك علیٰ ذٰلك عھودنا ومواثیقنا علی السمع والطاعة فامض یارسول اللہ لما اردت فنحن معك فوالذی بعثك بالحق لو استعرضت بنا ھذا البحر فخضته لخضناه معك ما یتخلف منا رجلٌ واحد وما نکره ان تلقٰی بنا عدونا غدًا انا لصبر فی الحرب صدق فی اللقاء لعل اللہ یریك منا ما تقربه عینك فسر علیٰ برکة اللہ۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ وسلم خوف کرتے تھے کہ کہیں انصار یہ خیال نہ کرتے ہوں کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد صرف اسی وقت فرض ہے جب کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو اور یہ کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا حق نہیں جبکہ آپ انکو ان کے علاقہ سے باہر کسی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے لیجانا چاہیں پس جب آپنے کہا کہ لوگو تمہارا کیا مشورہ ہے تو سعد بن معاذ

کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ہم سے پوچھتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں اس پر سعدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہم تو آپ پر ایمان لاچکے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی وجہ سے ہم نے آپ سے عہد اور اقرار کئے ہیں کہ ہم آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرینگے پس یا رسول اللہ چلئے جدھر چلتے ہیں ہم آپ کے ساتھ ہونگے اور اس خدا کی قسم جس نے آپ کو سچی تعلیم دیکر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو اس سمندر کی طرف لیجاویں - (بحیرہ احمر کی طرف اشارہ ہے جو عرب کے ساحل پر ہے) اور اس کے اندر داخل ہو جاویں تو آپ کے ساتھ داخل ہونگے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہیگا اور ہم اس بات کو ناپسند نہیں کرتے کہ آپ ہمیں لیکر کل ہی دشمنوں کا مقابلہ کریں ہم لڑائی میں صابر اور جنگ میں ثابت قدم ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ آپ جنگ میں ہم سے وہ بات دیکھینگے جو آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کریگی پس چلیئے خدا تعالیٰ کی برکت کے ساتھ یا رسول اللہ"

اس جواب اور اُس جواب کا جو حضرت موسیٰ ؑ کی قوم نے باوجود وعدہ مدد کے دیا تھا۔ مقابلہ کرو اور دیکھو کہ کیا ان دونو جماعتوں سے زیادہ کوئی اور دو قومیں متفاوت الحالات معلوم ہوتی ہیں مگر اس جواب سے بھی زیادہ عجیب جواب وہ ہے جو مقداد بن عمر نے دیا کیونکہ اس میں انہوں نے وہی الفاظ بتغیر مناسب دوہرائے ہیں جو حضرت موسیٰ ؑ کی قوم نے حضرت موسیٰ ؑ کو دیا تھا وہ کہتے ہیں کہ واللہ لا نقول لک کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ولکن اذھب انت وربک فقاتلا انا معکما مقاتلون خدا کی قسم ہم تجھے وہ جواب نہیں دینگے جو بنو اسرائیل نے موسیٰ ؑ کو دیا تھا کہ جا تو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا جواب تو یہ ہے کہ چلئے آپ اور آپ کا رب دشمن کا مقابلہ کریں ہم آپ کے ساتھ ملکر دشمنوں سے لڑینگے،، (ابن ہشام جلد اول)

یہ فرق تو اصحاب موسیٰ ؑ اور اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے خدا کے معاملہ میں بھی ہم یہی فرق دیکھتے ہیں حضرت موسیٰ بغیر اس موعودہ زمین میں داخل ہونیکے

اپنی جماعت سمیت اس زمین کے سامنے ہی خیمہ ڈالے ہوئے فوت ہو گئے اور آگے انکی اولاد کے ہاتھ پر وہ وعدہ پورا ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شان و شوکت کے ساتھ اپنے صحابہ کی جماعت میں گھرے ہوئے جس طرح چاند ہالہ کے اندر ہوتا ہے مکّہ میں بذات خاص فاتحانہ طور پر داخل ہوئے اور ہمیشہ کے لئے وہ ملک آپ کو دیا گیا:

مسیح ناصریؑ اور مسیح قادیانی جو بوجہ موسوی اور محمدیؐ سلسلوں کے خاتم الخلفاء ہونیکے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ ان میں اور ان کی جماعتوں میں بھی وہی نسبت پائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح ناصری کے حواریوں میں سے ایک کو جب اس کے مخالفوں نے پکڑا اور کہا کہ "بے شک تو بھی ان میں سے ہے (یعنی مسیحؑ کے ساتھیوں میں سے) کہ تیری بولی تجھے ظاہر کرتی ہے تب اس نے لعنت بھیجکر اور قسم کھا کر کہا میں اس شخص کو نہیں جانتا" متی باب ۲۶ آیت ۷۳ و ۷۴۔ مگر مسیح محمدی کے حواریوں میں سے بھی ایک شخص ویسے بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ابتلا میں مبتلا ہوا اور وہاں تو دو دفعہ عورتوں نے اور ایک دفعہ چند یہود نے جو حکومت میں کوئی دخل نہ رکھتے تھے پوچھا تھا کہ کیا تو مسیحؑ کے ساتھ ہے یہاں مسیح محمدیؐ کے حواری کو خود بادشاہ وقت نے دریافت کیا کہ کیا تو اس مسیحؑ کے ساتھ ہے اور وہاں تین دفعہ کے دریافت پر اس نے انکار پر اصرار کیا اور یہاں کئی دفعہ کے اصرار پر مسیح محمدیؐ کے حواری نے بار بار اقرار کیا یہ واقعہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کا ہے کہ جو افغانستان کے ایک جید عالم اور بزرگ تھے آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر سنکر اور آپکی بعض کتب پڑھکر آپ کو قبول کیا۔ اور پھر خود قادیان تشریف لا کر صحبت سے فائدہ حاصل کیا۔ جب واپس تشریف لے گئے تو چونکہ افغانستان کے سب سے بڑے عالم تھے اور بارسوخ تھے حتیٰ کہ امیر موجودہ* کی تاجپوشی پر آپ ہی نے اس کے سر پر تاج رکھا تھا۔ اس واقعہ کی اطلاع امیر کابل کو ہوئی اور دوسرے مولویوں نے اسکو بھڑکایا کہ یہ کافر ہو گیا ہے اس کو قتل کرنا چاہیئے امیر جب مجبور ہوا تو اس نے

* جس وقت یہ کتاب لکھی جا رہی تھی امیر حبیب اللہ خاں زندہ تھے۔ اسکی اشاعت کے وقت وہ کسی قاتل کے ہاتھ قتل ہو چکے ہیں۔ منہ

پہلے دیگر افسروں کے ذریعہ آپ کو توبہ کے لئے کہا جب آپ نے انکار کیا تو مولویوں کے فتویٰ کے مطابق سزائے موت کی دھمکی دی جب اس پر بھی بار بار اصرار کیا تو مولویوں کے فتویٰ کے مطابق سنگسار کرنیکا فتویٰ دیا جب آپکو قتل گاہ میں لیجایا گیا اور بوجہ ان کے درجۂ بلند کے امیر کابل مع امراء خاص خود اس کام کو پورا کرنے کے لئے ساتھ گیا اور ان کو آدھا زمین میں گاڑ کر سنگسار کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا تو پھر امیر بذات خود آپ کے پاس گیا اور کہا کہ اخوندزادہ اب بھی اس عقیدہ سے توبہ کیجئے اور اپنی جان اور اپنے اہل وعیال پر رحم کیجئے مگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ میں صداقت سے کیونکر انکار کرسکتا ہوں جان اور اہل وعیال کیا حقیقت رکھتے ہیں کہ انکی خاطر ایمان چھوڑ دوں۔ مجھ سے اس فعل کی امید نہ کیجئے۔ میں ایمان پر اپنی جان قربان کرنیسے ذرہ بھر بھی خوف نہیں کرتا۔ اس پر آپ پر پتھروں کی بارش برسائی گئی اور نہایت بے دردی سے آپ شہید کیئے گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۹۰۳ء میں ہوا ہے اور اس بین فرق کو ظاہر کرتا ہے جو مسیحؑ اوّل اور مسیحؑ ثانی کی جماعتوں میں ہے ؛

اسی طرح مسیحؑ اوّل اور مسیحؑ ثانی کے ساتھ جو معاملہ خدا تعالیٰ نے کیا وہ بھی بالکل متفاوت ہے یعنی مسیحؑ اوّل کو سولی پر لٹکانے میں اس کے دشمن کامیاب ہو گئے مگر باوجود اسکے کہ مسیحؑ ثانی کو بھی اقدام قتل کے الزام لگا کر دشمنوں نے ہلاک کرنا چاہا خدا تعالیٰ نے اس کو صاف بچالیا اور اس کے دشمنوں کو اس کے سامنے ہلاک کر دیا ؛

غرض جہاں سلسلۂ محمدیہ اور سلسلۂ موسویہ میں ایک عجیب مشابہت ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی تائیدوں کے لحاظ سے ایک بیّن امتیاز بھی ہے پس صرف اس وجہ سے کہ دونو سلسلہ مشابہ ہیں یہ کہدینا کہ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت ضرور غلو کرنیوالی ہے درست نہیں ہو سکتا اگر اسی بات پر نتیجہ نکالنا درست ہے تو کیا شیعوں کا یہ الزام ہم درست تسلیم کریں کہ اکثر صحابہ منافق تھے کیونکہ اس کی تائید میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے اور

حضرت موسیٰؑ کی جماعت کے کثیر حصہ نے عین موقعہ پر نفاق دکھایا تھا اس لئے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ بھی منافق تھے نعوذ باللہ من ذالک جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے آپکی جماعت کے اکثر حصہ کو حضرت موسیٰؑ کے وقت کے لوگوں کی مشابہت سے بچایا اور صرف کچھ لوگ منافقت کا شکار ہوئے اسی طرح مسیح محمدی کی روحانیت بھی ضرور تھا کہ اپنی جماعت کے کثیر حصہ کو اس غلطی سے بچاتی جو مسیح ناصری کے بعد اس کی جماعت سے ہوئی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سوائے ایک قلیل گروہ کے سب جماعت مرکز سلسلہ سے متعلق ہے اور اپنے انہی عقائد پر قائم ہے جس پر پہلے وہ قائم تھی ہاں جس طرح ایک قلیل جماعت جو خلافت کی منکر تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو گرانے لگی اور جس کا اظہار حضرت علیؓ کے وقت میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کی وجہ سے آپکے بیٹے کی طرح تھے ہوا۔ اسی طرح آج اسوقت جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک بیٹا خلیفہ ہوا ایک قلیل گروہ خلافت کا منکر پیدا ہوا اور جس طرح خوارج نے یہ اعلان کیا تھا کہ الطاعۃ للہ والامر شوریٰ بیننا یعنی اطاعت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے باقی انتظامی امور ہیں تو آپس کا فیصلہ جو مشورہ کے بعد قرار پائے وہی جاری ہونا چاہیئے یعنی خلیفہ کوئی چیز نہیں۔ ایک پارلیمنٹ ہو اسی طرح آج اس گروہ نے جس کی انجمن کے پریذیڈنٹ مولوی محمد علی صاحب ہیں یہ آواز بلند کی ہے کہ خلیفہ کوئی چیز نہیں بلکہ ایک انجمن کے سپرد جماعت کا انتظام ہونا چاہیئے مگر جس طرح خوارج پہلے چند سال شور و شر کرکے آخر دب کر بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ چاہیگا تو اس گروہ کا بھی یہی حال ہوگا ؎

مولوی محمد علیصاحب نے انجیل کی چند آیات نقل کرکے لکھا ہے کہ مسیحؑ کے دشمنوں نے ان پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ خدا کا بیٹا ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اس پر مسیحؑ نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے جو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے یہ صرف استعارۃً کہا گیا ہے اور انہی

معنوں میں کہا گیا ہے جن میں پہلے نبیوں کو خدا کہا گیا تھا مگر آپ کی وفات کے بعد آپ کے حواریوں نے انہی معنوں میں آپ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا جن معنوں میں کہ خدا کا لفظ رب العالمین کی نسبت استعمال ہوتا ہے اور جن معنوں میں ابنیت کا دعویٰ کرنیکا الزام یہودی حضرت مسیح علیہ السلام پر لگاتے تھے۔ وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ بعینہٖ اسی طرح مسیح محمدی سے ہونا چاہیئے تھا اور ہوا ہے اس کے دشمنوں نے بھی کہا کہ یہ نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس نے انکار کیا کہ مجھے نبوّت کا دعویٰ نہیں بلکہ مجازی طور پر مجھے نبی کہا گیا ہے مگر آپ کی وفات کے بعد آپ کی جماعت نے مسیحؑ کے حواریوں کی طرح یہی کہنا شروع کر دیا کہ وہ ویسے ہی نبی تھے جیسے کہ ان کے دشمن کہتے تھے میرے نزدیک یہ مشابہت انہوں نے بہت عمدہ دریافت کی ہے مگر اس کو چسپان انہوں نے غلط کیا ہے ہم ان آیتوں کو جو انہوں نے انجیل سے نقل کی ہیں پڑھکر دیکھتے ہیں تو ان میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہود آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ خدا کا بیٹا فلاں فلاں معنوں کے رو سے بنتا ہے حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ نہیں میں خدا کا بیٹا ان معنوں کے رو سے بنتا ہوں جن میں پہلے نبی خدا کہلائے مگر آپ کے بعد آپ کی جماعت نے خدا کے وہ معنی بلکہ مسیحؑ کی طرف منسوب کر دیئے جو مسیحؑ کے دشمن لیتے تھے اب اسی مثال کو ہم حضرت مسیحؑ محمدی کے وقت میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ پر آپ کے دشمنوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ شریعت والے نبی ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اپنے ایک خط مطبوعہ روزانہ اخبار عام لاہور میں (یہ اخبار پنجاب کا سب سے پرانا اخبار ہے اور اس کے ایڈیٹر اور مالک سب ہندو اصحاب ہیں اس اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دعوائے نبوّت سے رجوع کر لیا ہے اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک خط اپنے قلم سے اس اخبار کے ایڈیٹر کو ۲۳۔ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنی وفات سے دو تین دن پہلے لکھا جس میں سے یہ چند سطور نقل کی جاتی ہیں) تحریر فرماتے ہیں:

"پرچہ اخبار عام ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کے پہلے کالم کی دوسری سطر میں میری نسبت یہ خبر درج ہے کہ گویا میں نے جلسۂ دعوت میں نبوّت سے انکار کیا اس کے جواب میں واضح ہو کہ اس جلسہ میں میں نے صرف یہ تقریر کی تھی کہ میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلّق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدا اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے۔" دشمنوں کا الزام دور کرنے کے ساتھ ہی حضرت مسیح موعودؑ اپنے دعویٰ کے متعلق اسی خط میں یہ فرماتے ہیں کہ:۔ "جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اسقدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جبتک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیّت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا" پھر دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ "منجملہ ان انعامات کے وہ نبوّتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کے رُو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے تھے" ایک غلطی کا ازالہ ان تینوں تحریروں کو ملا کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے دشمن آپ پر تشریعی نبی ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ لیکن آپ اس سے انکار کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تو ان معنوں میں نبی ہوں کہ مجھے کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیجاتی ہے

اور پہلے انبیاءؑ بھی انہی معنوں میں نبی کہلاتے رہے ہیں اور یہ امر بالکل حضرت مسیحؑ ناصری کے واقعہ سے مشابہ ہے۔ لیکن اس تشابہ کے ماتحت صرف وہ شخص ان مسیحیوں سے مشابہ ہو سکتا ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر آپ کو ان معنوں میں خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا جن معنوں میں کہ یہود کہتے تھے کہ آپ کو خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ ہے۔ پس حضرت مسیحؑ ناصری کے ان متبعین سے مشابہت جنہوں نے ان کے درجہ میں ان کی وفات کے بعد غلو کیا ہمیں نہیں کیونکہ ہم تو ہرگز ان معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعودؑ کو نبی نہیں کہتے جن معنوں کے رو سے عموماً آپ کے دشمن آپ پر اعتراض کیا کرتے تھے اور جن معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعود اپنے نبی ہونے کا انکار کیا کرتے تھے وہی لوگ ان مسیحیوں سے مشابہت رکھتے ہیں جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کو ان معنوں کے رو سے نبی کہتے ہیں کہ آپ صاحبِ شریعت تھے یا اپنا کوئی نیا کلمہ بناتے تھے یا قرآن کریم کا کوئی حکم منسوخ کرتے تھے جو حضرت مسیح موعودؑ کو تشریعی نبی قرار دیتا ہے۔ اور خود مولوی صاحب اپنی کتاب سپلٹ حصہ چہارم میں جس کا جواب میں اس وقت لکھ رہا ہوں صفحہ پندرہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ ایک شخص احمدی جماعت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والا ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اب لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَحْمَدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنا چاہیئے۔ پس جبکہ خود مولویصاحب کی شہادت کے رو سے ایک ایسا شخص موجود ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کو ان معنوں کے رو سے نبی کہتا ہے جن معنوں کے رو سے دشمن آپ پر اعتراض کرتے تھے اور جن معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعودؑ اپنے نبی ہونے سے انکار کرتے تھے تو پھر دیدہ و دانستہ مسیحیوں سے ہمیں مشابہ قرار دینا کونسی دیانت ہے۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں یہ مشابہت ہمیں نہیں بلکہ ان کو حاصل ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کو تشریعی نبی کہتے ہیں اور ان کے نام کا کلمہ پڑھنا جائز سمجھتے ہیں نہ ہمیں۔ مگر مولویصاحب جان بوجھ کر ہم پر ایسا الزام لگاتے ہیں جس سے ہم بری ہیں یہی شخص جس کا ذکر مولوی

صاحب نے کیا ہے صاف لکھتا ہے "میاں صاحب موصوف حضرت مسیح موعودؑ کو غیر تشریعی
اور اُمتی نبی اللہ اور غیر تشریعی اُمتی رسول اللہ مانتے ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ کے
الہامات میں جو اوامر و نواہی ہیں ان پر عمل کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں اور حضرت
مسیح موعودؑ کی تحریر کے ماتحت ان کو صاحب شریعت رسول ماننے سے انکار کرتے
ہیں اور اپنی غلط بات پر قائم رہنے پر اصرار کرتے ہیں" اور پھر لکھتا ہے "تمام
جماعت احمدیہ کے خلاف میرا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے نہ صرف اپنے آپکو
غیر تشریعی نبی منوایا تھا بلکہ صاف طور پر صاحب شریعت نبی ہونیکا بھی دعویٰ کیا تھا
پھر قبلہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہی وحی الٰہی (یعنی واتخذوا من مقام ابراہیم مصلّی)
حضرت مرزا صاحبؑ پر بھی نازل ہوئی تھی فرق صرف اس قدر ہے کہ قرآن کریم میں حضرت
ابراہیمؑ سے مراد وہ ابراہیمؑ ہیں جنہوں نے کعبہ بنایا اور مرزا صاحبؑ کی وحی میں
ابراہیمؑ سے مراد آپ ہیں اور مسجد الحرام کی جا بجا قادیان ہے پس حضرت مرزا صاحبؑ
نے جو دوسرے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو حرام قرار دیا تھا تو اس لئے
نہیں کہ ان کی نماز کچھ اور ہے اور مرزا صاحب کے مریدوں کی کچھ اور یا کہ مولویوں نے
حضرت مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اصل مقصد تحویل قبلہ کے لئے ایک جماعت
کا تیار کرنا تھا" ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص اس بات کا مدعی ہے
کہ مرزا صاحب تشریعی نبی تھے اور یہ کہ آپ نے اپنی جماعت کے لئے نیا قبلہ یعنی قادیان
تجویز کیا ہے اور ان کی جماعت کو اسی طرف نماز پڑھنی چاہیئے اور آپکے نام کا کلمہ
پڑھنا چاہیئے اور یہ بھی کہ میں اور میری جماعت ان امور میں اس شخص کے مخالف
ہیں پس اگر وہ مشابہت جو مولوی صاحب نے مسیحیوں سے ہم میں پیدا کرنی چاہی
ہے اگر کسی گروہ میں پائی جاتی ہے تو اس شخص میں اور اس کے دو تین ساتھیوں میں
کہ ہم میں کیونکہ ہم تو انہی معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعودؑ کو نبی کہتے ہیں کہ جن
معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپکو نبی کہا حضرت مسیح موعودؑ اپنے

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں فرماتے ہیں "جس جس جگہ مَیں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر کوئی شریعت لانیوالا نہیں ہوں اور نہ مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ مَیں نے اپنے رسول مقتدیٰ سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے مَیں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے سو اب بھی مَیں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا" اور بہ خدا ہم حضرت مسیح موعودؑ کو انہی معنوں سے نبی اور رسول مانتے ہیں اور ہمارے مخالف بھی باوجود ہزاروں جھوٹ بولنے کے یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ اس بات کا انکار کریں کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ کو انہی معنوں کے رو سے نبی مانتے ہیں۔ لیکن کیا مسیحی بھی حضرت مسیحؑ کو انہی معنوں سے خدا کا بیٹا مانتے ہیں جن معنوں کے رو سے کہ حضرت مسیحؑ نے دعویٰ کیا تھا اگر نہیں تو پھر ہمیں ان سے کیا مشابہت ہے ہمیں تو اس گروہ سے مشابہت ہے جو حضرت مسیحؑ کے سچے متبعین میں سے تھا اور جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کرتا ہے ہاں وہ لوگ جو حضرت مسیح موعودؑ کو تشریعی نبی مانتے ہیں ان کو اس دوسرے گروہ سے مشابہت ہے مگر تعجب ہے کہ باوجود اسکے مولوی محمد علی صاحب اور انکے رفقاء کا ان لوگوں سے خاص تعلق ہے اور ہماری عداوت میں ان سے جوڑ ہے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی وفات پر جو نام نہاد مجلس شوریٰ قائم ہوئی تھی اسمیں یہ شخص بھی شامل تھا (پیغام مورخہ ۲۴۔ مارچ ۱۹۱۴ء) اسی طرح مولوی صاحب کے رسالہ المہدی میں اس شخص کا ہمارے خلاف مضمون چھپا۔ اسی طرح بعد میں بھی آپ سے اس کی ملاقات ہوتی رہتی ہے اور وہ بیان کرتا ہے کہ مولوی صاحب اس شرط پر کہ وہ گو خفیہ طور پر اپنے عقائد کا اظہار کرے مگر علی الاعلان اشتہاروں اور لیکچروں کے ذریعہ سے نہ کرے اسے اپنی انجمن کے ماتحت ملازم رکھنے کے بھی خواہشمند ہوئے

تھے بلکہ ۱۹۱۶ء کے جلسۂ سالانہ کے موقعہ پر انہوں نے اسکو اپنے سٹیج پر اپنی تائید میں لیکچر دینے کا موقعہ دیا۔ پس یہ ایک عجیب امر ہے کہ ہیں تو ہم لوگ اس شخص کے ہمخیال مگر تعلق اس کا مولوی محمد علیصاحب سے ہے اور ان کا اس سے ہے اس اتحاد کو دیکھکر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ کند ھم جنس باہم جنس پرواز۔ چونکہ وہ سلسلۂ احمدیہ کے مٹانے کے درپے ہیں اس لئے باوجود اختلاف کے ہماری خلاف آپسمیں ملجانے سے پرہیز نہیں کیونکہ گو ذرائع مختلف ہیں مگر مقصد ایک ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں اس مضمون کو ختم کروں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ مولویصاحب کی بیان کردہ انجیلی آیات علاوہ اس کے کہ جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں ہمیں مسیحؑ کے ان پیروان سے جنہوں نے آپ کے درجہ میں غلو کیا مشابہ نہیں ثابت کرتیں ان سے حضرت مسیح موعودؑ کے نبی ہونے کی ایک دلیل بھی ملتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ ناصری پر ان کے مخالفوں نے اعتراض کیا تھا کہ یہ اپنے آپکو خدا کہتا ہے (کیونکہ خدا کا بیٹا بننا اور خدا کہنا ایک ہی بات ہے) اس کا جواب انہوں نے دیا کہ کیا بائیبل میں یہ نہیں کہا گیا کہ تم خدا ہو پس اگر ان لوگوں کو جو نبی تھے خدا کہا گیا ہے تو میں نے بھی اگر اپنے آپکو خدا کا بیٹا کہا تو اس میں کیا حرج ہے مولویصاحب اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں اور صحیح نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیحؑ اپنے آپکو اور معنوں سے خدا کا بیٹا کہتے تھے اور ان کے مخالف اور معنی لیکر ان پر الزام لگاتے تھے کہ یہ خدا بنتا ہے حالانکہ وہ الوہیت کے انہی معنوں سے مدعی تھے جن معنوں کے رو سے پہلے نبی۔ چنانچہ مولوی محمد علیصاحب صفحہ ۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ

He says that before him those who received the word of God, were called gods though they were only men.

اب ہم حضرت مسیح موعودؑ کا معاملہ لیتے ہیں آپ خود تحریر فرماتے ہیں کہ میرے مخالف مجھ پر الزام لگاتے ہیں کہ میں نبی کا دعویٰ ان معنوں کے رو سے کرتا ہوں کہ میں صاحب شریعت جدیدہ ہوں (دیکھو خط مطبوعہ اخبار عام جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے) یہ اعتراض بعینہٖ ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت مسیح ناصری پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ خدا ہونے کا دعویٰ ان معنوں سے کرتا ہے کہ یہ اللہ یا اس کا جزو ہے اور یہ کفر ہے حضرت مسیح موعودؑ جواب دیتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے ان معنوں کے رو سے میں نے دعوائے نبوت نہیں کیا جس طرح حضرت مسیحؑ ناصری نے جواب دیا تھا کہ میں نے ان معنوں کے رو سے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کہتے ہیں کہ یہ معنی جو تم نبی کے کرتے ہو یہ درست نہیں کیونکہ گو نبی صاحب شریعت جدیدہ کو بھی کہتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ نبی کا لفظ صرف اسی پر بولا جاوے جو صاحب شریعت جدیدہ ہو اور ایسے لوگوں کے سوا دوسروں پر بھی یہ لفظ بولا جا سکتا ہے اور بولا جاتا ہے بلکہ نبی کے اصل معنوں میں یہ شرط ہی نہیں پائی جاتی چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔ ”بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ہوئے ہیں جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ صرف خدا کی طرف سے پیشگوئیاں کرتے تھے جن سے موسوی دین کی شوکت و صداقت کا اظہار ہو۔ پس وہ نبی کہلائے۔ یہی حال اس سلسلہ میں ہے بھلا اگر ہم نبی نہ کہلائیں تو اس کے لئے اور کون امتیازی لفظ ہے جو دوسرے ملہموں سے ممتاز کرے“ (ڈائری مطبوعہ اخبار بدر پرچہ ۵۔ مارچ ۱۹۰۸ء)

اسی طرح فرماتے ہیں کہ ”یہ ضرور یاد رکھو کہ اس اُمّت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائیگی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے ہیں پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کے رو سے انبیاء علیہم السّلام نبی کہلاتے رہے“۔ (ایک غلطی کا ازالہ) غرض آپ اپنے مخالفوں سے کہتے ہیں کہ جو معنی تم لیتے ہو ان معنوں سے میں نبی نہیں بلکہ ان معنوں کے رو سے نبی ہوں ”جن کے رُو سے

انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے" یہ جواب بھی بعینہٖ اسی طرح کا ہے جو حضرت مسیحؑ ناصری نے دیا کہ میں خدا انہی معنوں کے رُو سے ہوں جن کے رو سے پہلے انبیاء خدا کہلائے اب بتاؤ کہ کیا حضرت مسیحؑ کے جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہیں جیسا کہ خود مولوی محمد علیصاحب تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ ان معنوں کے رو سے خدا یا خدا کے بیٹے تھے جن معنوں کے رو سے پہلے نبی خدا کہلائے اور کیا ان کے وہ متبع جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ اور معنوں سے خدا ہیں اور پہلے نبی اور معنوں سے۔ وہ گمراہ اور صداقت سے دُور ہیں کہ نہیں تو پھر کیا حضرت مسیح موعودؑ کے اس جواب کے بعد کہ میں انہی معنوں کے رو سے نبی ہوں جن کے رُو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے نہ ان معنوں کے رُو سے جو تم سمجھتے ہو جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ اور قسم کے نبی تھے اور بنی اسرائیل کے نبی بلکہ تمام نبی اور قسم کے (جیسا کہ مولوی محمد علیصاحب اور انکے ساتھی کہتے ہیں) وہ حق سے دُور سمجھے جائینگے یا نہیں اگر ان کے یہ معنی درست سمجھ لئے جاویں تو کیا مسیحی نہیں کہہ سکتے کہ جب تمہارے مسیحؑ نے ہمارے مسیحؑ کی طرح اپنے مخالفوں کو یہی جواب دیا تھا کہ میں انہی معنوں سے نبی ہوں جن سے پہلے نبی نبی کہلائے اور باوجود اس جواب کے تم کہتے ہو کہ پہلے نبیوں کی نبوّت اور قسم کی تھی اور ہمارے مسیحؑ کی نبوّت اور قسم کی تو کیوں ہمارا حق نہیں کہ ہم کہیں کہ باوجود اس جواب کے جو حضرت مسیحؑ ناصری نے دیا ان کی خدائی اور قسم کی تھی اور پہلے نبیوں کی خدائی اور قسم کی کیا مولویصاحب مسیحیوں پر یہی حُجت قائم نہیں کرتے کہ جب مسیحؑ نے خود کہا کہ میں انہی معنوں کے رو سے خدا ہوں جن معنوں کے رو سے پہلے نبیوں کو خدا کہا گیا تھا تو وہ اس کو اور معنوں کے رُو سے خدا کیوں کہتے ہیں تو پھر حضرت مسیحؑ کے اس جواب کے بعد کہ میں انہی معنوں کے رو سے نبی ہوں جن کے رو سے پہلے نبی نبی کہلائے کیوں یہ کہتے ہیں کہ پہلے نبی اور معنوں کے

روسے نبی تھے اور حضرت مسیحؑ اور معنوں کے روسے۔ اگر وہ باوجود اس جواب کی موجودگی کے جو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دشمنوں کو دیا یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ پہلے نبی فی الواقع نبی تھے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کو صرف نبی کا نام دیا گیا تھا تو پھر انکو انجیل کے اس فقرہ کا مطلب بھی جسے انہوں نے خود نقل کیا ہے یہ لینا پڑیگا کہ پہلے نبی فی الواقع خدا تھے اور حضرت مسیحؑ پر صرف خدا کا لفظ بولا گیا یا اس کے الٹ وہ مطلب جو مسیحی لیتے ہیں کہ پہلے نبیوں پر یونہی نبی کا لفظ بولدیا گیا اور حضرت مسیحؑ فی الواقع خدا تھے۔ مولویصاحب آپ غور فرمادیں کہ انجیل کی یہ آیات آپ کو مسیحیوں کے مشابہ ثابت کرتی ہیں یا ہم کو۔ مسیحیوں نے بھی باوجود حضرت مسیحؑ کے اس قول کے کہ خدا کا لفظ پہلے نبیوں پر اور مجھ پر ایک ہی معنوں کے روسے بولا گیا ہے کہدیا کہ نہیں جب پہلے نبیوں کے لئے بولا گیا تو اس کے اور معنی تھے۔ اور مسیحؑ کے متعلق جب یہ لفظ آیا تو اس کے اور معنی تھے۔ اور باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا کہ آپ انہی معنوں کے روسے نبی ہیں جن معنوں کے رُوسے پہلے نبی نبی کہلائے جیسا کہ ان دونو حوالوں سے جو اوپر گذر گئے ظاہر ہے آپ نے بھی یہ دعویٰ کردیا کہ نہیں پہلے نبی اور معنوں سے نبی ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ اور معنوں کے روسے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ پہلوں نے معنی بدلتے وقت مسیحؑ کی وفاداری کو ترک نہ کیا اور حد درجہ سے زیادہ محبّت سے کام لیا اور اپنے اُستاد کے درجہ کو اصل درجہ سے بڑھادیا آپ نے حد درجہ کے بُغض سے کام لیکر اپنے اُستاد کے اصل درجہ سے اس کو گرادیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ اس کے درجہ کو بڑھا سکے نہ آپ اس مسیحؑ کے درجہ کو گھٹا سکتے ہیں ؎

مسیحیوں سے آپ کی مشابہت کے متعلق میں دو امور اور بھی لکھتا ہوں ایک تو آپکی اپنی شہادت ہے اور ایک انجیل کی شہادت ہے آپ کی اپنی

شہادت یہ ہے کہ ۱۹۰۹ء میں دسمبر کے ایام میں لاہور میں ایک جلسہ احمدیہ جماعت کی طرف سے بعض مسیحی واعظوں کے لیکچروں کی تردید میں ہوا تھا اس میں میرا بھی لیکچر تھا آپ کا بھی تھا اور خواجہ کمال الدین صاحب کا بھی تھا۔ آپ کا لیکچر "فضیلت مسیحؑ از روئے قرآن" پر تھا اور اس میں ایک پادری کے اس اعتراض کا جواب تھا کہ قرآن کریم سے حضرت مسیحؑ آنحضرت صلعم سے افضل ثابت ہوتے ہیں میرا مضمون "نجات" پر تھا کہ اسلام اور مسیحیت دونوں میں سے نجات کے متعلق صحیح تعلیم کس نے دی ہے خواجہ صاحب کا مضمون غالباً "قرآن کریم اور دیگر کتب مقدسہ کے مقابلہ" پر تھا۔ میرے اور خواجہ صاحب کے لیکچر آپ سے پہلے تھے اور دو موقع پر آپ کو ہمارے لیکچروں کی طرف اشارہ کرنا پڑا تھا۔ مسیحیوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے وقت کہ یکلم الناس فی المھد دکھلا سے حضرت مسیحؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے آپ نے میری مثال کو پیش کیا تھا کہ ان کی عمر کل بیس سال کی ہے اور دیکھو کہ انہوں نے کیسے عجیب نکات بیان کئے ہیں ابھی ان کا کھیل کود کا زمانہ ہے اس وقت ان کی یہ تقریر یکلم الناس فی المھد ہی ہے ایسا ہی مسیحؑ کرتے تھے اس طرح آپ نے مجھے تو مسیحؑ سے مشابہت دی تھی گو اب انکے بگڑے ہوئے پیرووں سے مشابہت دیتے ہیں۔ لیکن خواجہ صاحب کا ذکر کرتے وقت بے اختیار آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ جیسا کہ ابھی ہماری جماعت کے پولوس خواجہ صاحب نے کہا ہے یہ فقرہ آپ کے منہ سے نکلنا تھا کہ مجلس میں سناٹا آگیا اور آپ نے بھی خواجہ صاحب کی طرف منہ کر کے اپنے دانتوں میں انگلی دیدی کیا آپ حلفیہ اس واقعہ سے انکار کر سکتے ہیں علاوہ میرے کئی اور لوگ جو اس جلسہ میں موجود تھے اس امر پر حلفیہ شہادت دینے پر تیار ہیں یہ پرائیویٹ گفتگو نہیں تھی بلکہ خدا تعالیٰ نے پبلک میں عین ایک لیکچر کے دوران میں آپ کے منہ پر یہ الفاظ جاری کرا دیئے۔ اور کیا ہم

سمجھیں کہ آپ نے بلا وجہ یہ الفاظ کہے تھے بلا وجہ اس قسم کے لفظ مُنہ سے نہیں نکلتے فی الواقع آپ محسوس کرتے تھے کہ خواجہ صاحب کدھر جا رہے ہیں اور آپ کے خیالات بے اختیار آپ کی زبان پر جاری ہو گئے گو بعد میں آپ بھی اسی راستہ پر چل پڑے اور آخر خواجہ صاحب کے ہم خیالوں کے لیڈر بن گئے ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

انجیل کی شہادت یہ ہے کہ جیسا اناجیل سے ثابت ہے حضرت مسیحؑ کے جانے کے بعد انکے حواریوں سے سب سے پہلی غلطی یہ نہیں ہوئی کہ انہوں نے انکو خدا بنا دیا یا خدا کا بیٹا قرار دیا بلکہ انجیل اس جھگڑے سے بالکل پاک ہے یہ خیال تین سو سال بعد جا کر پیدا ہوا ہے اور حکومت اٹلی کے عیسائی ہو جانیکا نتیجہ ہے چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ مسیحؑ کی الوہیت کا خیال اور اقانیم ثلاثہ کا عقیدہ درحقیقت آہستہ آہستہ یورپ کے مذاہب کے اثر سے مسیحیوں میں آیا ہے سب سے پہلا خیال جو ان میں حضرت مسیحؑ کے منشاء کے خلاف پیدا ہوا ہے تو وہ غیر قوموں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے دین میں نرمی کرنے اور انکے خیال کے مطابق بنانے کا تھا چنانچہ نئے عہد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پولوس اور برنباس نے انطاکیہ میں شریعت کے احکام کو غیر قوموں والوں کے لئے نرم کر دیا تھا مگر کچھ لوگ یہودیہ سے آئے اور انہوں نے وہاں کے نو مسیحیوں کو تعلیم دینی شروع کر دی کہ جبتک تم ختنہ نہ کراؤ تم نجات نہیں پا سکتے اس پر پولوس اور برنباس سے انکی بحث ہوئی اور معاملہ حواریوں تک پہنچایا گیا وہ سب جمع ہوئے فریسی نو مسیحیوں نے شریعت کے احکام پر زور دیا لیکن پولوس اور برنباس نے اپنی تبلیغی کامیابیوں کا حال سُنا کر لوگوں پر اثر ڈالا اور آخر سب نے ملکر یہ پیغام انطاکیہ والوں کے پاس بھیجا کہ ”ان بھائیوں کو جو غیر قوموں میں سے ہیں۔ اور انطاکیہ اور سوریہ اور قلقیہ میں رہتی ہیں رسولوں اور

بزرگوں اور بھائیوں کا سلام از بسکہ ہم نے سُنا کہ ہم میں سے بعضوں نے جن کو ہم نے حکم نہیں کیا جا کے تمھیں اپنی باتوں سے گھبرا دیا اور تمہارے دلوں کو یہ کہکے پریشان کیا کہ ختنہ کرو اور شریعت پر چلو سو ہم نے ایک دل ہو کے بہتر جانا کہ اپنے عزیزوں برنباس اور پولوس کے ساتھ جو کہ ایسے آدمی ہیں کہ انہوں نے اپنی جان ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر خطرے میں ڈالی بعض چُنے ہوؤں کو تمہارے پاس بھیجیں چنانچہ ہم نے یہوداہ اور سیلاس کو بھیجا اور وے یہ باتیں زبانی بیان کرینگے۔ اعمال آیات ۲۴ تا ۲۷

باب ۱۵؎

اب آپ لوگ دیکھیں کہ کیا یہی طریق اور رویہ آپ لوگوں نے اختیار نہیں کیا ایک طرف تو آپ غیر احمدیوں کو خوش کرنے کے لئے اور اپنے ساتھ ملانیکے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے ذکر کو اسلام کے لئے مضر بتا رہے ہو اور دوسری طرف غیر مذاہب کے لوگوں کے دلوں کو قابو میں لانے کے لئے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ گھٹانے سے بھی پرہیز نہیں کرتے چنانچہ خواجہ صاحب نے خود اقرار کیا ہے کہ ایک شخص نے مجھے لکھا کہ اور تو تمہاری باتیں اچھی ہیں مگر رسول کریمؐ کو جو تم مسیحؑ سے افضل کہتے ہو یہ بات اچھی نہیں اور یہ بات تمہارے راستہ میں روک بھی ہوگی۔ اس پر میں نے اسے لکھ بھیجا کہ یہ آپ کا غلط خیال ہے ہمیں تو یہ حکم ہے کہ لا نفرق بین احد منھم ہم تو کسی نبی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں جو انہوں نے اس شخص کو سمجھانا چاہا اور صرف ایک شخص کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور اپنی تعداد بڑھانیکی خاطر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ہتک کی اور پھر عملاً جھٹکے کا گوشت کھا کر شریعت کے حکم کو وسیع کر لیا اور وہاں غیر احمدیوں کے پیچھے نماز کا فتویٰ تو ڑ مروڑ کر حضرت خلیفہ اوّلؓ سے حاصل کیا اور شراب پر انکے رسالہ میں مضمون نکلا کہ شراب پی کر پھر زیادتی سے بچنا اصل بہادری ہے نہ کہ شراب کو قطعاً چھوڑ دینا اسی طرح اور بہت

سی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قوموں کو خوش کرنے کے لئے جہانتک بھی اسلام کی تعلیم کو وہ توڑ کر سکتے تھے انہوں نے توڑا۔ پھر کیا مسیحیوں سے آپ کو کامل مشابہت ہوئی یا نہیں فتدبروا یا اولی الابصار۔

مولویصاحب نے اپنی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کی پیروی کرینگے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسیح کا انکار کرکے وہ یہود تو ہو گئے اب نصاریٰ بننے کے لئے انکو نصاریٰ کا رنگ بھی اختیار کرنا چاہیئے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد آپکی جماعت کا ایک بڑا حصہ آپکے درجہ میں غلو کرنے لگا لیکن ایک رنگ میں بوجہ مسیح سے مشابہت رکھنے کے حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت میں سے بھی بعض لوگ مسیحیوں سے مشابہ ہوئے مگر اس حدیث کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے بیان فرمایا ہے یہود بننے سے مراد مسیح کا انکار تھا اور ضال بننے سے فی الواقع عیسائی ہو جانا یہ حدیث جو مولوی صاحب نے لکھی ہے درحقیقت کوئی علیحدہ پیشگوئی نہیں بلکہ قرآن کریم کی ایک پیشگوئی کی تشریح ہے سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی ہے اھدنا الصّراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝ اے خدا ہمیں سیدھے راستہ پر چلا ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تیرا انعام ہوا اور ایسا نہ ہو کہ ہم انعام پانے کے بعد مغضوب علیھم یا ضال بن جاویں اس جگہ مسلمانوں کے لئے تین آیندہ کی خبریں بتائی گئی ہیں ایک تو یہ کہ ان میں سے بھی ایسے لوگ ہونگے جو خدا تعالیٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ انعام پاوینگے حتّٰی کہ نبی ہو جاوینگے اور اسی طرح انہیں سے بعض مغضوب علیھم ہو جاوینگے اور بعض ضال مغضوب علیھم اور ضال کی تشریح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی کہ مغضوب علیھم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں چنانچہ ترمذی میں عدی بن حاتم

سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ الیھود مغضوب علیہم و النصاریٰ ضلال یعنی یہود مغضوب علیہم ہیں اور نصاریٰ ضال ہیں پس خود آنحضرت نے مغضوب علیہم اور ضالین کی تشریح کر کے بتادیا ہے کہ سورۂ فاتحہ میں یہود و نصاریٰ بننے سے بچنے کے لئے دعا سکھائی گئی ہے پس رسول کریمؐ کا یہ فرمانا کہ تم پہلے لوگوں کے طریق اختیار کرو گے اور صحابہؓ کے سوال کرنے پر کہ کیا یہود و نصاریٰ کا رنگ ہم اختیار کرینگے آپ کا فرمانا "اور کن کا؟" یہ کوئی نئی خبر نہیں بلکہ اسی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ فاتحہ میں مذکور ہے اب ہم اس پیشگوئی کے پہلے تو وہ معنی دیکھتے ہیں جو خود حضرت مسیح موعودؑ نے کئے ہیں کیونکہ جس کے زمانہ کی خبر اس پیشگوئی میں دی گئی ہے وہی اس کا مطلب بہتر سمجھ سکتا ہے پھر ہم عقلاً بھی اس حدیث پر غور کرینگے ۔

حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب تحفۂ گولڑویہ کے صفحہ ۷۳ پر فرماتے ہیں "صرف دو فتنوں کا ذکر کیا ایک اندرونی یعنی مسیح موعودؑ کو یہودیوں کی طرح ایذا دینا دوسرے عیسائی مذہب اختیار کرنا یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سورۂ فاتحہ میں صرف دو فتنوں سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی ہے ۔

(۱) اوّل یہ فتنہ کہ اسلام کے مسیح موعودؑ کو کافر قرار دینا اس کی توہین کرنا اس کی ذاتیات میں نقص نکالنے کی کوشش کرنا اس کے قتل کا فتویٰ دینا جیسا کہ آیت غیر المغضوب علیہم میں انہی باتوں کی طرف اشارہ ہے ۔

(۲) دوسرے نصاریٰ کے فتنہ سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی اور سورۃ کو اسی کے ذکر پر ختم کر کے اشارہ کیا گیا ہے کہ فتنۂ نصاریٰ ایک سیل عظیم کی طرح ہوگا اس سے بڑھکر کوئی فتنہ نہیں"

حضرت مسیح موعودؑ کے اس فیصلہ کے بعد کہ یہود بننے سے مراد مسیح موعودؑ کا مقابلہ کرنا اور نصاریٰ بننے سے مراد فی الواقعہ اس وقت کے مسلمانوں کا

نصاریٰ ہو جانا ہے نہ کہ مسیح موعودؑ کی جماعت کا مشابہ بہ نصاریٰ ہو جانا مولویصاحب کا ان آیات واحادیث کے ایک نئے معنے کرنا ان لوگوں کے لئے تو کچھ بھی موجب حیرت نہیں جو چار سال سے مولوی صاحب کی رجعت قہقری کو دیکھ رہے ہیں مگر ان لوگوں کے لئے تعجب خیز ضرور ہو گا جنکے سامنے مولویصاحب پہلی دفعہ اس لباس میں پیش ہوئے ہیں ٭

اب ہم واقعات کی روشنی میں جب اس حدیث کو دیکھتے ہیں تو عقلی طور پر بھی مسیح موعودؑ کے کیئے ہوئے معنی ہی ہمیں درست معلوم ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی نسبت خبر دی تھی کہ وہ یہود و نصاریٰ کا رنگ اختیار کرینگے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے اسکے کہ مسیح موعودؑ کا انہوں نے انکار کیا ہو یہود سے انکو مذہبًا اور کوئی مشابہت نہیں یعنی یہود کے مذہب کا کوئی ایسا جزو جس سے وہ مذہبًا ممتاز ہوتے ہوں انہوں نے اختیار نہیں کیا اور نہ ان میں سے کوئی بڑی تعداد یہودی ہوئی بلکہ یہود تو عام طور پر دوسروں کو اپنے اندر شامل بھی نہیں کرتے پس یہودیوں کی اتباع سے تو یقینًا مسیح موعودؑ کا انکار اور اسکو ایذا دینا ہی مراد تھا لیکن مسیحیوں کی اتباع سے مراد حقیقتًا مسیحیوں کی ہی اتباع لیجاویگی کیونکہ کیا یہ درست نہیں کہ اسوقت تمام مسلمان کہلانے والے لوگ سوائے احمدیہ جماعت کے حضرت مسیحؑ کے درجہ میں غلو کرتے ہیں اور رسول کریمؐ پر ان کو فضیلت دیتے ہیں کیا مسیحی خیالات کو انہوں نے اس حد تک اپنے اندر داخل نہیں کر لیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وفات یافتہ اور زیر زمین مدفون مانتے ہیں اور حضرت مسیحؑ ناصری کو آسمان پر زندہ تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح اسے حی و قیوم کے مشابہ بنا کر اس کی خدائی کا اقرار کرتے ہیں پھر کیا وہ خدا تعالیٰ کی طرح اسے مُردوں کا زندہ کرنیوالا نہیں مانتے اور اس طرح مسیحیوں کے ہم نوا نہیں ہوتے حالانکہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک چڑیا کے زندہ کرنے کے بھی ان کے علماء قائل نہیں اسی طرح کیا مسیحیوں سے بھی بڑھکر وہ مسیحؑ کے خالق ہونے کے قائل نہیں کیا وہ نہیں مانتے کہ وہ علم غیب رکھتا تھا بلکہ قیامت کا علم جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں کیا وہ اسے اس کا بھی عالم نہیں جانتے۔ پھر باوجود اسقدر مشابہتوں کے کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان نصاریٰ کے مشابہ نہیں اور کیا مسیحی ایک بڑی تبلیغی جماعت نہیں اور کیا اسوقت تک لاکھوں مسلمان مسیحی نہیں ہو چکے جب یہ سب واقعات نظری اور بدیہی ہیں تو ان سے آنکھیں بند کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف منشاء آپ کی جماعت میں سے ضالین کی تلاش کے کیا معنی ہوئے اور کیا آپ کا یہ فعل دیانت کے خلاف نہیں ؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مسیحؑ سے مشابہت کی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت میں سے بھی بعض لوگوں نے راستہ سے کجی اختیار کرنی تھی مگر یہ پیشگوئی اس کے متعلق نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کا فتنہ ایک خفیف اور نسبتاً بے حقیقت فتنہ تھا اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا اکثر حصہ رہ راست پر رہا اور تھوڑے تھے جنہوں نے حق سے مُنہ پھیرا بمقابلہ حضرت موسیٰؑ کے پیروؤں کے کہ ان میں سے ایک جماعت کثیر نے وقت پر قدم پیچھے ہٹا لیا اسی طرح ضروری تھا کہ اُمّت محمدیہ کے مسیحؑ کی جماعت کا کثیر حصہ حق پر قائم رہے اور نسبتاً قلیل حصہ حق سے جدا ہو اور جہاں حضرت مسیح موعودؑ کی حضرت مسیح ناصری سے مشابہت اور مماثلت مدنظر رہنی چاہیئے وہاں ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رہنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعودؑ موسوی سلسلہ کے خلیفہ نہیں بلکہ محمدی سلسلہ کے خلیفہ ہیں اور صرف مثیل مسیح ہی نہیں

بلکہ بروز محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

مَیں بھی عیسیٰ بنکے آخر دیکھتا روئے صلیب ۔ گر نہ ہوتا نام احمدؐ جس پہ میرا سب مدار

یعنی مثیل مسیحؑ ہونے کی وجہ سے مجھے بھی وہی مصائب پیش آنے چاہیئے تھے کہ جو حضرت مسیحؑ ناصری کو پیش آئے اور مَیں صلیب پر لٹکایا جاتا مگر میں احمدؐ بھی ہوں اسی نام پر میرا سب مدار ہے پس میرا معاملہ اور مسیحؑ کا معاملہ مختلف ہے - احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ آخری زمانہ کے مصلح میں مسیحیت محمدیت کے ماتحت ہوگی چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ مہدی مسیحؑ کے آگے نماز میں امام ہوگا اور جب ہم اس حدیث کو مدِّ نظر رکھیں کہ لا المھدی الّا عیسیٰ سوائے مہدیؑ کے اور کوئی مسیحؑ کے وقت میں مہدی نہیں ہوگا تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہدیؑ کے مسیحؑ کو امامت کرانے سے مراد اس کی صفت مہدویت کا صفت مسیحیت پر غالب ہونا ہے اور واقعات بھی اسی امر کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں وہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے بہت بڑھکر ہیں ۔

معذرت

جولائی ۱۹۱۹ء کا پرچہ وقت پر شائع نہیں کیا جا سکا کیونکہ افسران محکمہ ڈاک کی طرف سے رجسٹری وقت پر نہیں پہنچ سکی اسلئے اگست اور جولائی کے دو نمبر اکٹھے شائع کئے جاتے ہیں -

انگریزی کا رسالہ بھی چند ماہ سے لیٹ ہو رہا ہے - جن حالات کے ماتحت یہ لیٹ ہوا ہے اس کے بیان کی اسجگہ ضرورت نہیں مگر ناظرین کرام تسلّی رکھیں کہ جناب ایڈیٹر صاحب ریویو پوری کوشش فرما رہے ہیں کہ جلد سے جلد رسالہ اپ ٹو ڈیٹ ہوسکے ۔

مینجر 13/8/19

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

از دفتر ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان دارالامان

مورخہ ۔۔۔ سنہ ۱۹ ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میرا خیال ہے کہ آپ کی انجمن کے تمام ممبروں کو اب تک حضرت اقدس مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی اطلاع نہیں جو ان الفاظ میں ہے کہ " اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لئے ایک ماتم ہوگا " وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر ایک ارشاد کی تعمیل تمام احمدیوں کا پہلا فرض ہے۔ مجھے یقین ہے آپ خود اسے تمام ممبروں کو سنائیں اور حضرت اقدس ع کے ارشاد کے مطابق خود بھی رسالہ کی اشاعت میں پورا حصہ لیں گے اور دوسرے احمدی احباب کو بھی جو آپ کے قریب ہوں اور ابتک رسالہ کے خریدار نہیں ہوئے۔ اس ارشاد کی اطلاع دیکر اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔

اردو رسالہ کی قیمت ؏ سالانہ اور انگریزی کی ؎ رسالانہ ہے جو رسالہ کے اجراء کے وقت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔ یا پہلا پرچہ قیمت مذکور میں وی پی بھیجا جا سکتا ہے ؛

نوٹ:۔ اگر کسی بھائی کو رسالہ کی پوری قیمت دینے کی طاقت نہ ہو (اگرچہ ؏ سالانہ کوئی بڑی رقم نہیں) تو ایکدوسرے سے ملکر ایک ایک رسالہ خریدیں مگر کسی بھائی کو اس کار خیر سے علیحدہ نہیں رہنا چاہیئے ؛

آپ کے جواب کا منتظر ہیڈ کلرک میگزین

ہر قسم کی خط و کتابت بنام منیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور ہونی چاہیئے۔ اور خط میں اپنا پورا پتہ خوشخط تحریر فرمادیں ؛

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ محمد نصیب صاحب پرنٹر و پبلشر چھپکر صدر انجمن کیلئے شائع ہوا)